POSTED AT LPC Delhi RMS
ON 03-04 September 2026, R.N.I No. 2186/57

POSTAL REGN. NO. DL (C) - 01/1195/2024-26, Licensed to Post
Without Prepayment U (C) - 160/2024-26, ISSN 2456-8511

Total Pages 8

HAMARI ZABAN
(Weekly)

ہفت روزہ
ہماری زبان
اشاعت کا 87 واں سال

Date of Publication: 02-09-2026 • Price: 5/- • 8-14 September 2026 • Issue: 34 • Vol:85

۸تا۱۴ر ستمبر ۲۰۲۶ء • شمارہ:۳۴ • جلد:۸۵

صحتِ زباں (۵۰)

رؤف پاریکھ

قمیض یا قمیص؟

افتخار عارف جب مقتدرۂ قومی زبان کے سربراہ تھے تو مقتدرہ سے ایک کتاب شائع ہوئی جس میں اردو کے حروفِ تہجی کی تعداد اٹھاون (۵۸) بتائی گئی تھی۔ اس عاجز طالب علم نے 'ڈان' (Dawn) اخبار میں ایک کالم لکھا کہ اگر اردو کے اٹھاون (۵۸) حروفِ تہجی تسلیم کر لیے جائیں تو اردو لغت بورڈ کی لغت کا کیا بنے گا جو باون (۵۲) برسوں کی محنت سے تالیف کی گئی اور جس کی بائیس (۲۲) جلدیں ترپین (۵۳) حروفِ تہجی اور ان کی ایک خاص ترتیب پر استوار ہیں۔ افتخار صاحب نے ایک کمیٹی بنائی اور کہا کہ آپ لوگ نہ صرف اس تعداد کا درست تعین کیجیے بلکہ اردو کا ایک ابتدائی قاعدہ بھی مرتّب کیجیے جس میں اردو کے حروفِ تہجی کی درست تعداد اور ترتیب لکھی ہو۔ قاعدے کی کمیٹی کے اجلاس میں بحث ومباحثے کے بعد اردو لغت بورڈ کی ترتیب اور تعداد کو درست مانا گیا، لیکن کمیٹی کے ایک رکن (جن کا تعلق مقتدرہ ہی سے تھا) مُصِر تھے کہ اس میں نونِ غُنّہ (ں) بھی شامل کیا جائے اور تعداد چوّن (۵۴) کی جائے کیونکہ کمپیوٹر میں نون غُنّے کی وجہ سے بڑے مسائل آتے ہیں اور نون غنے کو الگ حرف نہ ماننے کی وجہ سے کبھی کبھار کمپیوٹر اور موبائل فون میں نون غنے (ں) کو بھی نون (ن) لکھا جاتا ہے۔ اگرچہ ہم اس تجویز کے مخالف تھے کیونکہ نون غنہ (ں) کوئی صوتیہ (phoneme) یعنی متمیّز آواز (distinct sound) نہیں ہے بلکہ مصوتوں (vowels) کو انفیائے جانے کا نتیجہ ہے (جس کو انگریزی میں nasalisation of vowels کہتے ہیں) اور ہمارا خیال تھا کہ اردو میں حروفِ تہجی کی تعداد ترپین (۵۳) ہی ہے لیکن اردو میں کمپیوٹر اور موبائل کی سہولت کے خیال سے ہم نے بھی ہامی بھر لی (جی ہاں! یہ 'ہامی' بھرنا ہے، اسے 'حامی' بھرنا لکھنا غلط ہے) اور اس قاعدے میں اردو کے چوّن (۵۴) حروفِ تہجی لکھے گئے۔ یہ کوئی پندرہ سولہ سال پرانی بات ہے۔ اس زمانے میں دستی فون یعنی موبائل میں اردو میں مختصر پیغام رسانی (ایس ایم ایس، جسے اردو میں بعض لوگ پیغامچہ کہتے ہیں) کے لیے مقتدرۂ قومی زبان نے اردو کے حروفِ تہجی مائیکروسوفٹ کو مہیا کیے تھے اور اس میں نون غنہ پہلے ہی شامل کر دیا گیا تھا۔

خیر صاحب! وہ جدید ابتدائی اردو قاعدہ بنا (جس کے مؤلفین میں یہ عاجز طالبِ علم بھی شامل تھا)، چھپا اور اس کی ایک تقریبِ رونمائی منعقد ہوئی۔ ایک اسکول کے سلسلے کے مالک ومنتظم نے اعلان کیا کہ ان کے اسکولوں میں اب سے یہی قاعدہ پڑھایا جائے گا، حروفِ تہجی کی اسی تعداد اور ترتیب کو درست مانا جائے گا اور اس سلسلے میں وہ پانچ لاکھ روپے کا چیک بطور پیشگی لے کر آئے ہیں تاکہ مقتدرہ قومی زبان بڑی تعداد میں یہ قاعدے چھاپ کر ہمیں دے، لیکن بعض لوگوں کو خدا جانے کیوں اس قاعدے سے تکلیف ہوگئی (ایک وجہ شاید یہ تھی کہ ہمیں کمیٹی میں شامل کیوں نہیں کیا گیا) اور انھوں نے (دل میں) کہا کہ:

کبھی فلک کو پڑا دل جلوں سے کام نہیں
اگر نہ آگ لگا دوں تو داغؔ نام نہیں[1]

چنانچہ اس تقریب میں کچھ دل جلے کھڑے ہوگئے اور عجیب اعتراضات داغنا شروع کیے۔ مثلاً ایک صاحب کو اعتراض تھا کہ قاعدے میں 'ع' سے عورت لکھا گیا ہے اور ساتھ ہی فاطمہ جناح کی تصویر دی گئی ہے۔ پھر غضب ناک ہوکر فرمایا کہ فاطمہ جناح کو عورت بنا کر پیش کرنا ہماری قومی غیرت کا جنازہ نکالنے کے مترادف ہے (ان کے قہر وغضب کو دیکھ کر کسی کو یہ پوچھنے کی جرأت نہ ہوئی کہ حضرت! اگر فاطمہ جناح عورت نہیں تھیں تو کیا تھیں)۔

ایک صاحب نے 'ق' سے 'قمیض' پر اعتراض کیا۔ ان کا کہنا تھا کہ یہ لفظ 'قمیص' ہے۔ اس میں 'ض' نہیں 'ص' ہے اور اسے 'قمیض' لکھنا غلط ہے۔ کمیٹی کے صدر نے جواباً کہا کہ اردو میں اس کا املا 'ض' ہی سے رائج ہے۔ اس پر ان صاحب نے انھیں برسرِ محفل بہت سخت الفاظ میں ڈانٹا اور پھر کہا کہ سب سے بڑی سند قرآن شریف ہے اور سورہ یوسف کی ایک آیت پڑھ دی جس میں لفظ ''قمیص'' (ص) آیا ہے۔ بس پھر کیا تھا، سب نے تائید کر دی۔ نتیجہ یہ کہ پانچ لاکھ کا چیک لانے والے صاحب نے وہ چیک جیب میں رکھ لیا اور یہ کہہ کر چلتے بنے کہ پہلے اس قاعدے کو ٹھیک کیجیے۔ بہرحال، وہ قاعدہ مقتدرہ کے دفتر سے تو کچھ عرصے میں فروخت ہوگیا (اور اب لوگ مانگتے پھرتے ہیں اور ڈھونڈے نہیں ملتا) مگر وطنِ عزیز کے اسکولوں میں رائج اردو قاعدوں میں آج بھی اردو کے حروف کی تعداد پر اختلاف ہے، کسی قاعدے میں یہ تعداد پینتیس (۳۵) اور کہیں سینتیس (۳۷) اور کہیں کچھ اور لکھی ہے۔ یہ بے قاعدگی بہت عرصے سے اردو میں چلی آرہی ہے اور اردو کے حروفِ تہجی کی تعداد پر کوئی اتفاقِ رائے نظر نہیں آتا۔ ستم یہ ہے کہ شمس الرحمٰن فاروقی جیسے عالم فاضل نے بھی اردو کے حروفِ تہجی کی ترتیب بیان کرتے ہوئے ہائیہ یا ہکاری آوازوں (aspirated sounds) کو شامل نہیں کیا اور اپنی کتاب لغاتِ روزمرہ میں صفحہ چھیالیس (۴۶) پر اردو کے حروف کی جو ترتیب لکھی ہے ان میں اڑتیس (۳۸) حروف دیے ہیں اور اگلے ہی صفحے پر لکھا ہے کہ ''اردو کے حروفِ تہجی کی تعداد پینتیس (۳۵) ہے جیسا کہ اوپر کی فہرست سے معلوم ہوگیا ہوگا''[2] (اور ''اوپر کی فہرست'' میں یہ تعداد اڑتیس (۳۸) ہے، جسے شاید فاروقی صاحب نے صحیح طور پر شمار نہیں کیا ہوگا)۔

بعد ازاں افتخار عارف صاحب سے ہم نے کہا کہ اردو میں قمیض ہی رائج ہے اور اس کی کئی اسناد بھی موجود ہیں۔ عربی میں بے شک قمیص (ص) ہے اور قرآن کی سند سر آنکھوں پر، لیکن اردو میں عربی کے بہت سے الفاظ کا املا، تلفظ اور مفہوم تک تبدیل ہوگیا ہے۔ اردو میں اب عام طور پر قمیض (ض) ہی لکھا اور بولا جاتا ہے۔ اردو کے جدید ادبی متون میں بھی اکثر وبیش تر قمیض ہی لکھا گیا ہے اور یہ عربی کا نہیں اردو کا قاعدہ ہے۔ افتخار عارف صاحب نے کہا کہ یہ تو ہوتا ہی ہے کہ کام پر لوگوں کو تکلیف ہوتی ہے، جب تک کسی نے حروفِ تہجی کی تعداد اور ترتیب کو ٹھیک کرنے کا کام نہیں کیا تھا کسی کو کوئی تکلیف نہیں تھی، لیکن جیسے ہی ہم نے یہ کام کیا سب کو تکلیف ہوگئی۔ اگر اس میں کوئی خامی یا کمی تھی تو مناسب انداز میں نشان دہی کر دی جاتی اور ہم اسے درست کر لیتے۔

قارئین! اب 'ہماری زبان' کا مطالعہ انجمن ترقیِ اردو (ہند) کی ویب سائٹ www.atuh.org پر بھی کر سکتے ہیں جہاں اِسے مفت میں ڈاؤن لوڈ کرنے کی سہولت بھی موجود ہے۔

ہمارا بھی یہی خیال تھا کہ علمی کاموں کا یہی طریقہ ہوتا ہے کہ درست اعتراض کو مان کر تصحیح کر لی جاتی ہے۔ اختلافِ رائے کوئی بری بات نہیں ہے۔ البتہ اختلافِ رائے میں احترام اور علمی انداز کو ملحوظ رکھنا چاہیے، لیکن یہ سوال اپنی جگہ رہا کہ قمیص (ص) درست ہے یا قمیض (ض)۔ مشتاق احمد یوسفی نے لکھا ہے کہ شان الحق حقی سے ایک:

''فلم کی پیشگی بکنگ کے 'کیو' میں ملاقات ہوگئی۔ تھوڑی دیر بعد ہم دونوں 'کیو' سے اس پر بحث کرتے ہوئے گتھم گتھا نکلے بلکہ نکالے گئے کہ صحیح لفظ قمیض ہے یا قمیص''[۳]۔

گویا اس لفظ کے املا اور تلفظ پر اختلاف موجود رہا ہے۔ یہ عاجز طالبِ علم گتھم گتھا ہوئے بغیر عرض کرتا ہے کہ اردو کی اکثر لغات میں قمیص (ص) درج ہے، مثلاً فرہنگِ آصفیہ[۴]، اردو لغت بورڈ[۵] اور مہذب اللغات[۶] نے 'قمیص' (آخر میں 'ص') ہی لکھا ہے، لیکن نور اللغات نے 'قمیص' درج کرنے کے بعد لکھا ہے کہ ''عوام قمیز بولتے ہیں''[۷]۔ 'رسالہ تصحیح اللغات' کے مطابق 'کُرتے کے معنی میں 'قمیص' درست ہے اور ''صادِ مہملہ [ص] کے بدلے ضادِ معجمہ [ض] استعمال کرنا غلط ہے''[۸]۔ چلیے مان لیا کہ اصل لفظ قمیص (ص) ہے، لیکن اس سے اس بات کا ثبوت تو ملتا ہے کہ عوام میں قمیض (ض) رائج تھا، اور اب بھی ہے بلکہ بعض اہلِ قلم کے ہاں قمیض (ض) کی سند بھی ملتی ہے۔

اس میں شک نہیں کہ عربی میں قمیص ہے۔ اردو کی متداول لغات میں بھی قمیص (ص) لکھا گیا ہے، لیکن اب عام طور پر قمیض (ض) ہی بولا جاتا ہے۔ مثلاً 'شلوار قمیض' کی ترکیب میں۔

اور سید ضمیر جعفری کا شعر ہے:

پسا اوقات کھلتا ہی نہیں منشا حسینوں کا
قمیضیں سبز رکھتے ہیں، دوپٹّے لال کرتے ہیں[۹]

(غالباً ٹریفک کے سگنل کی بتیوں کی طرف اشارہ ہے)۔

اردو کے جدید متون میں اس لفظ کا املا بیش تر قمیض (ض) ملتا ہے اور اس کی کئی مثالیں دست یاب ہیں (ان اسناد کو یہاں نقل کرنا طوالت کا باعث ہوگا)۔ بہرحال، قمیض (ض) کو غلط العام کہا جاسکتا ہے۔ اس اردو قاعدے میں 'ق' سے قلم دیا گیا تھا اور ق سے شروع ہونے والے چند اضافی الفاظ بھی لکھے گئے تھے جن میں قمیض کا لفظ بھی شامل تھا۔ اگر معترضین یہ کہتے کہ قمیض میں سے ض کا نقطہ نکال دیا جائے اور اسے قمیص کر دیا جائے یا 'ق' سے کوئی اور لفظ شامل کیا جائے تو اسے تسلیم کر کے تصحیح بھی کی جاسکتی تھی کیونکہ قمیض رقمیص کا املا بہرحال متنازع فیہ ہے اور نصابی کتب میں ایسے الفاظ نہیں لکھنے چاہییں جن میں اختلاف کا کوئی پہلو ہو، لیکن مقصد غالباً اعتراض تھا، تصحیح نہیں تھی۔ چنانچہ تقریب کا اختتام بدمزگی پر ہوا اور قاعدے میں قمیض ہی لکھا رہ گیا۔ کاش کچھ معقولیت دکھائی جاتی اور مناسب انداز اختیار کیا جاتا تو اردو کے حروفِ تہجی کی تعداد کے جھگڑے کو طے کرنے کی سمت کم از کم کچھ پیش رفت تو اس قاعدے کے ذریعے ہوتی۔ اس ضمن میں راقم نے کچھ معروضات اپنی کتاب اردو املا اور حروفِ تہجی میں بھی پیش کی ہیں (جسے اب انجمن ترقیِ اردو (ہند) دہلی نے بھی شائع کر دیا ہے)۔

بہرحال، ۲۰۲۲ء میں مقتدرہ نے (جس کا نام اب ادارۂ فروغِ قومی زبان ہے) اردو املا کی سفارشات شائع کیں اور ان میں اردو کے چوّن (۵۴) حروفِ تہجی (مع پندرہ (۱۵) ہائیہ آوازوں کے) درج کیے گئے۔ ان سفارشات کی منظوری ایک سیمینار میں دی گئی تھی جس میں ملک کے نامور اہلِ علم اور محققین مدعو کیے گئے تھے۔

عرض یہ ہے کہ اردو والوں کو اپنی انا کو ایک طرف رکھ کر اور چھوٹے موٹے اختلافات کو نظر انداز کر کے املا کی کسی معیار بندی (standardisation) اور یکساں (unified) املا کی طرف آنا چاہیے اور اس کی ابتدا اردو کے حروفِ تہجی کی تعداد اور ترتیب سے کی جاسکتی ہے۔ ہندستان میں یہ کام اطہر فاروقی صاحب انجمن کے زیرِ اہتمام ایک سیمینار منعقد کر کے کر سکتے ہیں۔

گیارھواں، بارھواں وغیرہ

کچھ عرصے قبل حیدرآباد (سندھ) سے چھپی ہوئی اردو کی دو نصابی کتابیں دیکھیں جن کے سرورق پر جلی حروف میں لکھا تھا: ''گیارہویں جماعت کے لیے'' اور ''بارہویں جماعت کے لیے''۔ نہ پوچھیے کہ سرکاری ادارے کی شائع کردہ نصابی کتب میں یہ غلط املا دیکھ کر کتنا دل جلا۔

ان الفاظ کا درست املا ہائے مخلوط یا دوچشمی ہا (ھ) سے ہے یعنی گیارھویں اور بارھویں لکھنا چاہیے تھا (البتہ بعد کے ایڈیشن میں ان اغلاط کی تصحیح کر دی گئی ہے، اعتراضات کے بعد)۔ اردو گنتی میں گیارہ سے لے کر اٹھارہ تک جو اعداد ہیں ان کے آخر میں 'ہ' ہے[۱۰] اور یہ ہائے ملفوظی ہے یعنی اس کا تلفظ کیا جاتا ہے۔ یہ اعدادِ معیّن ہیں اور انھیں یوں لکھا جائے گا:

گیارہ، بارہ، تیرہ، چودہ، پندرہ، سولہ، سترہ، اٹھارہ

اعدادِ معیّن (مثلاً گیارہ، بارہ، تیرہ) کو جب اعدادِ ترتیبی (مثلاً گیارھواں، بارھواں، تیرھواں) میں تبدیل کیا جائے گا تو گیارہ، بارہ تیرہ وغیرہ کی ہائے ملفوظی ('ہ') ہائے مخلوط ('ھ') میں بدل جائے گی لہٰذا اعدادِ ترتیبی میں ہائے مخلوط یعنی دوچشمی 'ھ' لکھنی چاہیے[۱۱]۔ گویا گیارہ، گیارھواں، گیارھویں (بیاے مجہول، مذکر کے لیے) اور گیارھویں (بیاے معروف، مؤنث کے لیے) لکھا جائے گا۔ یہ صورت گیارہ سے اٹھارہ تک کے اعداد کے لیے ہے یعنی گیارھواں، بارھواں، تیرھواں، چودھواں، پندرھواں، سولھواں، سترھواں، اٹھارھواں لکھنا چاہیے۔ ان کی محرّف حالت، یعنی مذکر کے لیے الف کے بجاے یاے مجہول سے (مثلاً بارھویں، ب ا ر ھ وے ں) اور مؤنث کے لیے یاے معروف سے (مثلاً بارھویں، ب ا ر ھ وی ں)، میں بھی 'ھ' لکھنی چاہیے اور یہ 'گیارھویں' سے 'اٹھارھویں' تک کے املا میں ہوگا، مثلاً: گیارھویں ہفتے میں، بارھویں جماعت سے، تیرھویں دن میں، چودھویں رات کو، پندرھواں سال لگا، سولھویں برس یوں ہوا، سترھویں جلد چھپ گئی، اٹھارھویں صدی میں جنگیں ہوئیں، وغیرہ۔ گوپی چند نارنگ بھی اس کے حامی ہیں[۱۲]۔ البتہ رشید حسن خاں صاحب کا کہنا ہے کہ اٹھارھواں اور اٹھارھویں میں ایک استثنا ہے اور اسے ہاے مخلوط یا ہاے دوچشمی (ھ) کے بغیر بھی لکھا جاتا ہے[۱۳] یعنی اٹھاروں، اٹھارویں اور اٹھارویں۔

حواشی:

۱۔ گلزارِ داغ (لکھنؤ: نسیم بک ڈپو، ۱۹۷۳ء)، ص ۱۵۵ (بارِ دوم)۔
۲۔ لغاتِ روزمرہ (کراچی: آج کی کتابیں، ۲۰۰۳ء) (اشاعتِ دوم)۔
۳۔ خاکم بدہن (کراچی: مکتبۂ دانیال، ۱۹۸۴ء)، ص ۱۳ (اشاعتِ ہفتم)۔
۴۔ فرہنگِ آصفیہ (مرتبہ سید احمد دہلوی)، (لاہور: اردو سائنس بورڈ، ۱۹۷۷ء)۔
۵۔ اردو لغت (تاریخی اصول پر)، جلد ۱۴ (کراچی: اردو لغت بورڈ، ۱۹۹۲ء)۔
۶۔ مہذب اللغات، جلد ۹ (مرتبہ مہذب لکھنوی) (لکھنؤ: محافظِ اردو بل ڈپو، ۱۹۷۵ء(؟))۔
۷۔ نور اللغات (مرتبہ نور الحسن نیر)، (اسلام آباد: نیشنل بک فاونڈیشن، ۱۹۸۹ء)۔
۸۔ مولوی رفیع احمد، رسالہ تصحیح اللغات موسوم بہ اسمِ تاریخی اصلاحِ ضروری ۱۳۴۶ھ، (بدایوں: نظامی پریس، ۱۹۲۹ء)، ص ۶۵۔
۹۔ مافی الضمیر (لاہور: جم ساہی ایسوسی ایٹس، ۱۹۷۸ء)، ص ۲۵ (اشاعتِ دوم)۔
۱۰۔ عبدالستار صدیقی، مقالاتِ صدیقی (مرتبہ مسلم صدیقی)، (لکھنؤ: اتر پردیش اردو اکیڈمی، ۱۹۸۳ء)، ص ۱۱۔
۱۱۔ رشید حسن خاں، اردو املا (دہلی: قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، ۱۹۹۸ء)، ص ۴۴۶-۴۴۵ (اشاعتِ دوم)۔
۱۲۔ املا نامہ (دہلی: ترقی اردو بیورو، ۱۹۹۰ء)، ص ۸۹۔
۱۳۔ رشید حسن خاں، اردو املا، محولۂ بالا، ص ۴۴۶-۴۴۷۔

ریٹائرڈ پروفیسر، شعبۂ اردو، جامعہ کراچی، یونیورسٹی روڈ، کراچی-75270 (پاکستان)
E-mail: drraufparekh@yahoo.com

انجمن ترقی اردو (ہند) کی نئی کتاب

نگارشاتِ سحر

مضامینِ پروفیسر سحر انصاری

تدوین وحواشی: محمد صابر

- پروفیسر سحر انصاری برِّصغیر ہندو پاک کی ان نابغۂ روزگار شخصیتوں میں سے ہیں جن کے علم کی روشنی نے تقریباً نصف صدی کے عہد کو روشن ومنور رکھا ہے اور ان کے علم وفن کا نہ صرف ایک زمانہ معترف ہے بلکہ اس سے فیضیاب ہونے والوں کی تعداد میں روز افزوں اضافہ ہی ہو رہا ہے، لیکن ابھی بھی علم وفن کے متوالوں کا ایک حلقہ ایسا ہے جہاں اس مینارۂ ادب کی روشنی ابھی تک نہیں پہنچ سکی ہے۔
- انجمن ترقی اردو (ہند) نئی دہلی ایسی ہی شخصیتوں کی نادر تحریروں کو اردو ادب کے عام قاری تک اپنے نفیس اور پُرکشش انداز میں پہنچانے کے لیے ہمیشہ سرگرم رہی ہے۔ اس سلسلے کو نہایت منظّم انداز میں آگے بڑھاتے ہوئے پروفیسر سحر انصاری کی نادرِ روزگار ادبی نگارشات کو شائع کرنے کی جانب عملی قدم اٹھایا گیا ہے۔ اس کتاب کو محمد صابر نے تدوین وحواشی کے ساتھ مرتّب کر کے قارئینِ کرام کے لیے مزید جامع اور کارآمد بنا دیا ہے۔
- بلاشبہ یہ کتاب پروفیسر سحر انصاری کی نادر، بیش بہا اور انتہائی عالمانہ تحریروں کا ایسا مجموعہ ہے جو شائقینِ ادب کے لیے ایک گراں مایہ تحفہ ثابت ہوگی۔

ضخامت: 208 صفحات ـــــ قیمت: 250 روپے

قسط نمبر:7

مسائلِ لغت وقواعد اور رشید حسن خاں کے فکری ابعاد

ڈاکٹر ابراہیم افسر

گذشتہ سے پیوستہ

مضمون 'اغلاط اللغات' میں رشید حسن خاں نے واضح کیا کہ اس سے قبل ان کا طویل مضمون 'لُغت اور استعمالِ عام' رسالہ 'اُردو ادب' بابت مارچ 1957 میں شائع ہو چکا ہے۔ دراصل مضمون 'اغلاط اللغات'، 'لُغت اور استعمالِ عام' کی توسیع ہے۔ مضمون 'اغلاط اللغات' کی ترتیب کے دوران ان کے پیشِ نظر اُردو، فارسی اور عربی لُغات رہے۔ انھوں نے مضمون کی تیاری کے سلسلے کے دوران اس بات کو محسوس کیا کہ مستند اور متداول لُغات میں اغلاط ومسامحات کے علاوہ باہم سخت اختلافات موجود ہیں۔ بعض اوقات یہ دیکھنے میں آتا ہے کہ متداول لغات میں موجود لفظ کے معنی مستند لغات میں موجود نہیں ہوتے۔ اس سے عام لوگوں کو سخت اُلجھن ہوتی ہے اور اس کو برداشت کرنا ہوتا ہے۔ انھوں نے اپنے مضمون میں سرمایۂ زبان اُردو، نور اللغات، محاوراتِ داغ، غیاث اللغات، ازاحۃ اللغات، فرہنگِ عامرہ قاموس، رسالہ عبدالواسع میں شامل الفاظ پر بحث کی۔ اس بارے میں رشید صاحب لکھتے ہیں:

''مذکورۂ بالا مضمون کے سلسلے میں سرسری طور پر کچھ مقامات نشان زد کر لیے گئے تھے، لیکن اِس مضمون کی تکمیل کے بعد جب اِس طرف توجہ کی گئی تو یہ سلسلہ دراز ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ کافی تعداد میں ایسے الفاظ جمع ہو گئے جن کے متعلّق سخت غلط فہمی کا امکان ہوسکتا تھا۔ لطف کی بات یہ تھی کہ وہ سارے لُغات جن سے الفاظ ماخوذ تھے، مستند ہیں یا سمجھے جاتے ہیں۔ اِس بنا پر ذیل میں کتبِ لُغت کے ناموں کو عنوان قرار دے کر ایسے الفاظ درج کیے جاتے ہیں۔ اگر اِن لُغات کا بالاستیعاب جائزہ لیا جائے تو اِس بات کا زیادہ امکان ہے کہ ایسے الفاظ کی فہرست بہت طولانی ہو جائے۔ میں نے صرف سرسری طور پر اِدھر اُدھر سے کچھ مقامات پر نظر ڈالی ہے۔ اِس مضمون میں حسبِ ذیل لُغات کے الفاظ پر گفتگو کی گئی ہے۔ 'سرمایۂ زبانِ اُردو' (جلالؔ)، 'نوراللغات'، 'محاوراتِ داغ'، 'غیاث اللغات'، 'ازاحۃ الاغلاط'، 'فرہنگِ عامرہ'، 'قاموس'، 'رسالۂ عبدالواسع' (آخرالذّکر کتاب اگرچہ لُغت کی کتاب نہیں ہے لیکن فارسی قواعد کے ذیل میں مصنّف نے بہت سے الفاظ کے متعلّق بھی کچھ تفصیلات درج کی ہیں)۔''[60]

رشید حسن خاں کا طویل مضمون 'قاموس الاغلاط پر ایک نظر' رسالہ 'اُردو ادب'، بابت 1961 میں شائع ہوا۔ اس مضمون میں موصوف نے اُس نظریے کی تردید کی کہ جس میں اس بات کو تسلیم کیا گیا کہ عربی، فارسی الفاظ کو جہاں تک ممکن ہو، اُسی طرح استعمال کرنا چاہیے جس طرح وہ اصل زبان کے لغات میں درج ہیں۔ رشید صاحب کے مطابق مرتبینِ لغات نے جوشِ تصحیح میں اُردو کی لسانی خصوصیات، اس کی مزاجی کیفیت، لفظوں کے بننے بگڑنے کے مسلمہ اصول اور کسی زبان کی یہ صلاحیت کہ اُس میں دوسری زبانوں کے لفظ شامل ہو کر اُسی زبان کے سانچوں میں ڈھل جاتے ہیں، ان سب باتوں کو نظر انداز کر دیا۔ انھوں نے مزید لکھا کہ علمِ زبان سے دل چسپی رکھنے والے اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں کہ یہ نقطۂ نظر کس قدر غلط ہے اور زبان کی ترقی کے راستے میں سنگِ گراں۔

رشید صاحب نے اپنے مضمون میں 'قاموس الاغلاط' میں شامل الفاظ کی فہرست کو 'مفروضہ غلط الفاظ' کے زمرے میں رکھا۔ ان کی نظر میں عربی، فارسی کے جو لفظ عام بول چال میں خلافِ اصل مستعمل ہیں، جیسے بہشت، فرشتہ، فریب، فرار کہ فارسی میں ان الفاظ کا حرفِ اوّل مکسور ہے، لیکن اُردو میں یہ سب لفظ بہ فتحِ حرفِ اوّل بولے جاتے ہیں، یا عیاں، عیال، کہ عربی میں عَ مکسور ہے، لیکن اُردو میں بہ فتحِ عین مستعمل ہیں، ایسے لفظوں کو بھی صحّت طلب الفاظ کی فہرست میں شامل کر لیا گیا۔ انھوں نے 'قاموس الاغلاط' کی دو خامیوں: (۱) عربی کے جن الفاظ میں اساتذۂ فارسی تصرف کر چکے، انھیں بھی غلط الفاظ کی فہرست میں شامل کیا (۲) عربی و فارسی کے جو اختلافِ حرکت کے ساتھ مستعمل ہیں، ایسے بیش تر الفاظ کو اصل حرکات کی پابندی کے ساتھ بولنے کی تاکید فرمائی، پر سخت اعتراض کیا۔ انھوں نے اس خامی کو 'قاموس الاغلاط' تک محدود نہیں رکھا بلکہ 'فرہنگِ آصفیہ'، 'نور اللغات' اور 'فرہنگِ عامرہ' وغیرہ لغات میں تلاش کر کے قارئین کے سامنے پیش کیا۔ انھوں نے اپنے مضمون میں سند کے طور پر اشعار اور مروجہ لغات کے حوالے پیش کیے۔ اس موقعے پر اس طویل مضمون سے ایک اقتباس نقل کیا جا رہا ہے تاکہ قارئین خود اندازہ کر سکیں کہ رشید صاحب نے اپنے مضمون میں کس طرح کا اسلوب اور تحقیق کے معیار کو وقار عطا کیا:

''اِس موضوع پر جو کتابیں لکھی گئی ہیں، اُن میں سب سے مشہور کتاب 'قاموس الاغلاط' ہے، جس کو دو فاضل حضرات نے مرتّب کیا ہے۔ اِس کتاب کے مرتّبین نے بڑی محنت سے اُردو میں غلط بولے جانے والے الفاظ کی طویل فہرست تیّار کر دی ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ اُن کے جمع کیے ہوئے الفاظ میں سے کم سے کم اسّی فی صدی لفظ 'مفروضہ غلط الفاظ' کی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہ کتاب اِس موضوع پر لکھی ہوئی دوسری کتابوں کے مقابلے میں زیادہ جامع ہے (بہ لحاظِ کثرتِ الفاظ) اور مرتّبین نے زیادہ تفصیل وتشریح سے بھی کام لیا ہے، اِس لیے اچھّے اچھّے پڑھے لکھے حضرات اِس کے مندرجات کو مستند سمجھ کر، اِس کے حوالے دیتے رہتے ہیں یا اِس کی روشنی میں فیصلے کرتے ہیں۔ اِس طرح غلط فہمی کا دائرہ وسیع ہوتا رہتا ہے۔

اِس کتاب کی دو خامیاں خاص طور سے قابلِ ذکر ہیں: (۱) عربی کے جن الفاظ میں اساتذۂ فارسی تصرّف کر چکے ہیں، ان کو بھی غلط الفاظ کی فہرست میں شامل کر لیا گیا ہے، حالاں کہ اساتذۂ اُردو کا یہ مسلّمہ اصول ہے کہ جو لفظ مفرس ہو کر ہم تک پہنچا ہے، وہ بہ لحاظِ اصل بھی صحیح ہے اور مع تصرّف بھی صحیح ہے۔ اِسی طرح جو لفظ فارسی وعربی الفاظ یا قواعد کے قیاس پر بن گئے ہیں یا بنا لیے گئے ہیں اور اُردو کے اساتذہ اِن کو استعمال بھی کر چکے ہیں، وہ بھی اب بالکل صحیح ہیں۔ لیکن مؤلّفینِ قاموس نے ایسے بیش تر الفاظ سے دامن بچانے کی اور زبان وقلم آلودہ نہ کرنے کی ہدایت فرمائی ہے۔ یہ دراصل نگاہِ تحقیق کا قصور ہے کہ تصرّفات تک نہیں پہنچ سکی۔

(۲) عربی و فارسی کے جو لفظ اختلافِ حرکت کے ساتھ مستعمل ہیں، ایسے بیش تر الفاظ کو اصل حرکات کی پابندی کے ساتھ بولنے کی تاکید فرمائی ہے۔ حالاں کہ یہ ایسے الفاظ ہیں کہ اگر اِن کو اصل حرکات کی پابندی کے ساتھ استعمال کیا جائے، تو اجنبیت کا شدید احساس ہوگا بلکہ یہ محسوس ہوگا کہ بولنے والا تازہ وارد ہے۔ قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ یہ عیب 'قاموس الاغلاط' تک ہی محدود نہیں ہے، 'فرہنگِ آصفیہ' اور 'نوراللّغات' میں بھی یہی خامی ہے۔ دل چسپ بات یہ ہے کہ اِن لُغات میں باہم خاصے اختلافات ہیں۔ یہ بھی ہے کہ بعض عربی وفارسی الفاظ میں اختلافِ حرکت کو صحیح مان لیا ہے، بعض میں نہیں۔ یا ایک فرہنگ نگار نے ایک لفظ میں بول چال کے تصرّف کو تسلیم کیا ہے، دوسرا لُغت نویس اِس سے منکر ہے، یا سرے سے اِس کا ذکر ہی نہیں کیا ہے۔ یہ بے حد پریشان کر دینے والی صورت ہے۔ پڑھنے والا تشکیک کا شکار ہو کر رہ جاتا ہے۔''[61]

رشید حسن خاں کے مذکورہ مضمون کو پڑھ کر پروفیسر اعجاز حسین نے 2 نومبر 1961 کو خط تحریر کیا جس میں خاں صاحب کے مضمون کی تعریف وتوصیف کے علاوہ اس بات پر مبارک باد پیش کی گئی کہ آپ مضمون ہمیشہ محنت سے لکھتے ہیں۔ خط ملاحظہ کیجیے:

''عزیزی رشید صاحب، تسلیم!

آپ کا مضمون اُردو ادب میں دیکھ کر بے ساختہ جی چاہا کہ آپ کو مبارک باد پیش کروں۔ آپ مضمون تو ہمیشہ محنت و قابلیت سے لکھتے ہی ہیں مگر اس میں معلومات وتحقیقات کے علاوہ جس بات نے مجھے زیادہ متاثر کیا کہ وہ آپ کا وہ نظریہ ہے جس کے سایہ میں اُردو زبان پروان چڑھی جس کو لے کر وہ آگے بڑھی، عربی، فارسی یا دوسری زبانوں کے الفاظ کو اپنے طور پر اپنے مزاج سے ہم آہنگ کراتی رہی خواہ وہ الفاظ بہ لحاظ تلفظ یا معنی اصل زبان سے مختلف بھی ہوں مگر جب ہمارے مستند ادیبوں نے استعمال کر لیا تو ہمارے لیے ان کا رویہ جواز بن گیا، خواہ عربی، فارسی والے کتنا ہی ناک بھوں چڑھائیں۔ آپ نے جس نقطۂ نظر سے لغات لکھنے والوں کی غلطیوں اور ذہنیت وفروگزاشت پر نظر ڈالی ہے میرے نزدیک اس طرح کسی اور نے ہمت نہیں کی۔ کاش اسی خیال کے تحت کوئی لغت وجود میں آجائے۔''[62]

رشید حسن خاں جب رام پور رضا لائبریری[63] میں دہلی یونی ورسٹی کے شعبۂ اُردو کے لیے کسی اہم ادبی کام کے لیے گئے تو وہاں ان کی نظر لائبریری کی فہرستِ مخطوطات میں شیخ امداد علی بحرؔ لکھنوی شاگرد وفرزند شیخ امام بخش ناسخ کے غیر مدون رسالے 'بحر البیان' پر پڑی۔ رشید صاحب کے مطابق بعض لوگوں نے اس رسالے کو لغت بھی لکھا ہے جو غلط ہے۔ رشید صاحب کے مطابق یہ رسالہ دو حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلا حصہ قواعدِ زبان سے متعلق ہے اور دوسرا حصہ اُردو مصادر کے معانی پر اور کچھ محاورات وکنایات کے معانی پر مشتمل ہے۔ بحرؔ کے اس رسالے کے بارے میں ان کے معاصرین اور متاخرین نے

...(بقیہ صفحہ 6 و7 پر)

اردو دُنیا

کامل اور فاضل اسناد کے خلاف سرکاری فیصلے پر
الٰہ آباد ہائی کورٹ کی عبوری روک

لکھنؤ (5اگست)۔الٰہ آباد ہائی کورٹ نے کامل اور فاضل ڈگری یافتہ اساتذہ کے تقرر کے قانونی جواز سے متعلق ایک اہم معاملے میں بڑا عبوری حکم جاری کیا ہے۔ عدالت نے نیشنل ہیومن رائٹس کمیشن، یوپی محکمۂ اقلیتی بہبود کی پرنسپل سکریٹری اور ڈائرکٹر کی جانب سے جاری کیے گئے احکامات پر آئندہ حکم تک عبوری روک لگادی ہے۔ اسی کے ساتھ شکایت کنندہ طلحہ انصری کو بھی اس معاملے میں نوٹس جاری کیا گیا ہے اور چھے ہفتوں میں جواب طلب کیا گیا ہے۔

اس اہم مقدمے کی سماعت جسٹس سَرَل شیرواستو اور جسٹس سدھانشو چوہان پر مشتمل ڈویژن بنچ نے کی اور مذکورہ روک کا حکم 'ٹیچرس ایسوسی ایشن مدارسِ عربیہ اتر پردیش' کے جنرل سکریٹری دیوان صاحب زماں خاں اور انتظامیہ کمیٹی مدرسہ مدینۃ العلوم بنارس کی جانب سے دائر رٹ پٹیشن پر جاری کیا گیا۔ درخواست میں این ایچ آر سی کے ان اقدام کو چیلنج کیا گیا تھا جن کے تحت فاضل اور کامل ڈگری یافتہ اساتذہ کے تقرر اور ان کی تنخواہوں کی ادائیگی کے معاملے میں حکومتِ اتر پردیش سے وضاحت طلب کی گئی تھی اور محکمۂ اقلیتی بہبود کے پرنسپل سکریٹری کو بھی طلب کیا گیا تھا۔

درخواست گزاروں کی جانب سے سینئر ایڈوکیٹ گووند کمار سنگھ، سینئر ایڈوکیٹ وجے کمار سنگھ، ایڈوکیٹ پرشانت شکلا، ایڈوکیٹ ایچ پی شاہی، ایڈوکیٹ سنکلپ نارائن اور ایڈوکیٹ محمد علی اوصاف نے عدالت میں موقف پیش کیا جب کہ یوپی مدرسہ بورڈ کی جانب سے ستیم سنگھ ایڈوکیٹ اور یوپی حکومت کی طرف سے چیف اسٹینڈنگ کونسل پیش ہوئے۔ درخواست گزاروں کے وکلا نے استدلال کیا کہ یہ معاملہ مکمل طور پر 'سروس میٹر' سے متعلق ہے جس میں مداخلت نیشنل ہیومن رائٹس کمیشن کے دائرۂ اختیار میں نہیں آتا۔ عدالت کو یہ بھی بتایا گیا کہ جن کامل و فاضل ڈگری یافتہ اساتذہ کی تقرریوں اور تنخواہوں پر سوالات اٹھائے جارہے ہیں اُن کی تقرریاں سپریم کورٹ کے متعلقہ فیصلوں سے بھی قبل عمل میں آچکی تھیں، اس لیے ان تقرریوں کو موجودہ بنیادوں پر چیلنج کرنا قانونی طور پر درست نہیں ہے۔

سماعت کے دوران درخواست گزاروں کی جانب سے یہ نکتہ بھی اٹھایا گیا کہ شکایت کنندہ طلحہ انصاری کا مدارس یا متعلقہ افراد کے تقرر سے کوئی براہِ راست تعلق نہیں ہے اور نہ وہ اس معاملے میں متاثرہ فریق کی قانونی تعریف میں شامل ہی ہوتے ہیں۔ اس بنیاد پر وکلا نے موقف اختیار کیا کہ این ایچ آر سی میں ان کی جانب سے دائر شکایت قانون کے مطابق قابلِ سماعت نہیں ہے۔ جسٹس سرل شریواستو اور جسٹس سدھانشو چوہان پر مشتمل ڈویژن بنچ نے فریقین کے دلائل سننے کے بعد ان احکامات پر عبوری روک لگادی جن کے ذریعے کامل و فاضل ڈگری یافتہ اساتذہ کے تقرر کے قانونی جواز کا جائزہ لیا جارہا تھا۔ عدالت کے اس عبوری فیصلے کو کامل و فاضل ڈگری یافتہ مدرسہ اساتذہ کے لیے بڑی قانونی راحت قرار دیا جارہا ہے۔ خیال رہے کہ یہ اساتذہ گذشتہ کئی برسوں سے مدارس میں خدمات انجام دے رہے ہیں۔

(انقلاب۔ممبئی)

تمام لسانی اور ملّی تنظیمیں اردو کے حقوق کی بازیابی کے لیے متحد ہوجائیں: اختر الایمان

پٹنہ (11 اگست)۔ بہار میں دوسری سرکاری زبان اردو کے مسائل دن بدن بے حد سنگین ہوتے جارہے ہیں۔ محکمۂ تعلیم آئے دن ایسے احکام جاری کرتا رہتا ہے جس کے سبب اردو اسکولوں کی شناخت اور ان کا وجود خطرے میں ہے۔ اردو زبان اور اردو داں طلبہ کا مستقبل تاریک ہوتا جارہا ہے۔ یہ باتیں اردو کونسل ہند کے صدر اور رکنِ اسمبلی اختر الایمان نے کہیں۔ انھوں نے کہا کہ کہنے کو تو بہار میں اردو دوسری سرکاری زبان کا درجہ رکھتی ہے، لیکن عملی طور پر یہ صرف کاغذ پر ہی سرکاری زبان ہے۔ اسکولوں سے، دفتروں سے، سرکاری عمارتوں کے سائن بورڈوں سے، سڑک کے کنارے لگی اشاراتی تختیوں سے، تھانوں سے، کورٹ اور کچہریوں سے، ایک منظّم اور منصوبہ بند سازش کے تحت اردو کو غائب کیا جارہا ہے۔ اختر الایمان نے کہا کہ ادھر کچھ برسوں سے اردو کے خلاف سازشوں کا سلسلہ منظّم اور مستحکم ہورہا ہے۔ سب سے پہلے میٹرک میں اردو کی لازمیت ختم کی گئی اور اس کو مادری زبان کے زمرے سے نکال کر عام زبانوں کے زمرے میں ڈال دیا گیا۔ مانک منڈل میں ایک اردو ٹیچر کی گنجائش کو ختم کردیا گیا۔

ابھی کچھ دنوں قبل اردو اسکولوں میں ہیڈ ٹیچر کے نام پر 80 فیصد غیر اردو داں ٹیچر بحال کر کے اردو اسکولوں کی شناخت اور وجود کو ختم کرنے کا مذموم عمل کیا گیا۔ اردو اسکولوں سے جمعے کی چھٹی ختم کی گئی، اب مدرسوں میں بھی جمعے کی چھٹی ختم کر کے اتوار کو چھٹی کرنے کی ہدایت دی جارہی ہے۔ ریشنلائزیشن کے نام پر اردو اسکولوں کے اساتذہ کو سرپلس قرار دے کر وہاں اردو کی تعلیم کو ختم کرنے کا بندوبست کرلیا گیا ہے۔ ٹی آر ای-4 میں فارسی اور عربی اساتذہ کا تقرر نہیں کیا جارہا ہے۔ 211 ڈگری کالجوں میں اردو زبان کی تعلیم کا نظم نہیں کیا گیا ہے، اسے آئندہ سال کے وعدے پر ٹال دیا گیا ہے۔

اردو کونسل ہند کے صدر نے کہا کہ اگر دیکھا جائے تو اردو کے حالات بہار میں سنگین سے سنگین تر ہوتے جارہے ہیں اور اگر فوری طور پر اس کے حقوق کی بازیابی کے لیے منظّم اور مستحکم نیز متحدہ کوشش نہیں کی گئی تو بہار میں بھی اردو اتر پردیش جیسے حالات سے گزر کر بے نام و نشاں ہوجائے گی۔ انھوں نے کہا کہ اگر ہم نے بروقت اپنی متحدہ جدوجہد شروع نہیں کی تو آئندہ نسلیں ہمیں کبھی معاف نہیں کریں گی اور اردو جس میں ہماری لسانی، مذہبی اور تہذیبی وراثت محفوظ ہے وہ اس محروم ہوجائیں گی۔ (روزنامہ پندار۔ پٹنہ)

اساتذہ کے لیے جدید طریقِ تدریس وقت کا اہم تقاضا

پروفیسر گلریز

علی گڑھ (5اگست)۔ مرکز پیشہ ورانہ فروغ برائے اردو اساتذہ (سی پی ڈی یو ٹی، اردو اکادمی) علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے زیرِ اہتمام اردو اساتذہ کے لیے ہفت روزہ ریفریشر کورس 5 تا 13 اگست کے افتتاحی اجلاس کا انعقاد عمل میں آیا، جس میں مہمانِ خصوصی کی حیثیت سے سابق وائس چانسلر ایم یو پروفیسر محمد گلریز نے شرکت کی جب کہ مہمانِ اعزازی کے طور پر ڈائرکٹوریٹ آف اسکول ایجوکیشن کی ڈائرکٹر پروفیسر قدسیہ تحسین موجود تھیں۔ مرکز پیشہ ورانہ فروغ برائے اردو اساتذہ کے ڈائرکٹر پروفیسر زبیر شاداب خاں نے میزبانی کی۔ 'جدید طریقِ تدریس' کے موضوع پر آراستہ ہفت روزہ ریفریشر کورس کے افتتاحی اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے پروفیسر محمد گلریز نے کہا کہ ریفریشر کورسز کے انعقاد سے اساتذہ کو نئی روشنی اور نئی توانائی حاصل ہوتی ہے۔ اردو اساتذہ کے لیے جدید طریقِ تدریس پر مبنی مختلف تربیتی پروگراموں کا انعقاد وقت کا تقاضا بھی ہے اور ہماری ضرورت بھی۔ اس طرح کے تربیتی پروگراموں سے اردو کے اساتذہ اردو زبان وادب کی تدریس کے جدید طریق کار سے واقف ہوں گے اور وہ اپنے اسکولی طلبہ و طالبات کے لیے بہتر تعلیم و تربیت کی فضا ہموار کرسکیں گے۔ انھوں نے یہ بھی کہا کہ عہدِ حاضر میں یہ ممکن ہی نہیں کہ جدید تدریسی معلومات حاصل کیے بغیر کوئی بھی استاد ایک بہتر اور موثر طریقِ تعلیم پیش کرسکے۔ انھوں نے مزید کہا کہ اس ریفریشر کورس میں مختلف ماہرین کے لکچرز اور جدید معلومات سے اردو زبان و ادب کے اساتذہ کو ایک نئی راہ ملے گی۔ پروفیسر قدسیہ تحسین نے اس موقعے پر اظہارِ امید کرتے ہوئے کہا کہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے وابستہ دس اسکولوں کے اردو اساتذہ کے لیے منعقدہ اس ریفریشر کورس سے ایک مثبت نتیجہ برآمد ہوگا اور اردو جیسی بڑی زبان کے اسباق کی تدریس کے لیے ہمارے اساتذہ ازسرِ نو تازہ دم ہوں گے۔ پروفیسر زبیر شاداب خاں نے اپنے تعارفی کلمات میں ہفت روزہ ریفریشر کورس کے انعقاد کے لیے وائس چانسلر پروفیسر نعیمہ خاتون کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا کہ ان کی خصوصی دل چسپی کے سبب ہی ہم اردو اکادمی کی اصل کارکردگی کو عملی جامہ پہنانے کی سمت میں آگے بڑھ رہے ہیں۔ انھوں نے یہ بھی کہا کہ اردو اساتذہ کے لیے موثر تدریسی طریقِ تعلیم اور نصاباتِ تعلیم کو بہتر سے بہتر بنانے کے لیے آف لائن کے ساتھ ساتھ آن لائن تربیتی پروگراموں کے انعقاد کا بھی ہمارا منصوبہ ہے۔ (میرا وطن۔ دہلی)

ایم پی اردو اکادمی کے زیرِ اہتمام برہان پور میں 'سلسلہ اور تلاشِ جوہر' کے تحت ادبی نشست

برہانپور (6اگست)۔ مدھیہ پردیش اردو اکادمی، سنسکرتی پریشد، محکمۂ ثقافت کے زیرِ اہتمام ضلع ادب گوشہ، برہانپور کے ذریعے 'سلسلہ اور تلاشِ جوہر' کے تحت ادبی و شعری نشست کا انعقاد انصار افتخار ہائر سیکنڈری اسکول، چندرکلاں، برہانپور میں ضلع کوآرڈینیٹر شعور آشنا کے تعاون سے کیا گیا۔ مدھیہ پردیش اردو اکادمی کی ڈائرکٹر ڈاکٹر نصرت مہدی نے اپنے پیغام میں کہا کہ 'سلسلہ اور تلاشِ جوہر' اردو اکادمی کی ایسی اہم مہم ہے جس کا مقصد نئی ادبی صلاحیتوں کی تلاش، ان کی حوصلہ افزائی اور سینئر و نوجوان تخلیق کاروں کے درمیان تخلیقی مکالمہ قائم کرنا ہے۔ برہانپور ضلع کے کوآرڈینیٹر شعور آشنا نے بتایا کہ پروگرام دو اجلاس پر مبنی تھا۔ پہلے اجلاس میں 'تلاشِ جوہر' کا مقابلہ منعقد ہوا جس میں ضلع کے نئے تخلیق کاروں نے فی البدیہہ مقابلے میں حصہ لیا۔ حکم صاحبان کے طور پر برہانپور کے سینئر شعرائے کرام جمیل اصغر اور ریاست علی ریاست موجود تھے جنھوں نے نوجوان تخلیق کاروں کو شعر کہنے کے لیے دو طرحی مصرعے دیے۔ دیے گئے مصرعوں پر نوجوان تخلیق کاروں کی کہی گئی غزلوں اور ان کی پیش کش کی بنیاد پر شکیل اعجاز نے پہلا، رشید عنبر نے دوسرا، اور عمران شاہدی نے تیسرا مقام حاصل کیا۔ تینوں فاتحین کو اردو اکادمی کی طرف سے انعام اور سند دی جائے گی۔ دوسرے اجلاس 'سلسلہ' کے تحت ادبی و شعری نشست کا انعقاد ہوا جس کی صدارت سینئر شاعر جمیل اصغر نے کی جب کہ مہمانانِ ذی وقار کی حیثیت سے عارف انصاری علیگ، ایڈوکیٹ عبدالقادر شیخ اور واجد اقبال موجود تھے۔ ڈاکٹر عارف انصاری نے 'اردو شاعری اور ادب میں تانیثیت' کے موضوع پر خطاب کیا، پھر شعرا نے اپنے کلام سے نوازا۔ پروگرام کی نظامت کے فرائض شعور آشنا نے انجام دیے۔ (انقلاب۔ممبئی)

ٹی آر ای-4 میں اردو اساتذہ کی اسامیوں میں تخفیف ناقابلِ قبول، حکومت نظرِ ثانی کرے

رمیز صابری

دربھنگہ (6 اگست)۔ ٹی آر ای-4 (TRE-4) کے تحت ریاستی اساتذہ کی تقرری کے لیے محکمۂ تعلیم کی جانب سے بہار پبلک سروس کمیشن (بی بی ایس سی) کو بھیجی جانے والی تقرری سفارش میں اردو اساتذہ کے لیے انتہائی محدود تعداد میں اسامیوں کی تجویز پر ریاست بھر کے اردو حلقوں میں بے چینی پائی جارہی ہے۔ سنگھواڑہ بلاک کے معروف سماجی کارکن رمیز صابری نے اس فیصلے کو اردو زبان، اردو میڈیم کے طلبہ اور ہزاروں اہل امیدواروں کے ساتھ کھلی ناانصافی قرار دیتے ہوئے حکومت سے فوری اصلاحی اقدام کا مطالبہ کیا ہے۔ اپنے جاری کردہ بیان میں رمیز صابری نے کہا کہ بہار میں اردو کو دوسری سرکاری زبان کا آئینی درجہ حاصل ہے، لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ جب بھی اساتذہ کی تقرری کا مرحلہ آتا ہے، اردو اساتذہ کی اسامیوں میں غیر منصفانہ کمی کردی جاتی ہے۔ اس کے نتیجے میں برسوں کی محنت کے بعد STET اور دیگر لازمی امتحانات کامیاب کرنے والے ہزاروں امیدوار تقرری سے محروم رہ جاتے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ ریاست کے متعدد سرکاری اور امدادی اسکولوں میں اردو اساتذہ کی بڑی تعداد میں اسامیاں عرصۂ دراز سے خالی ہیں، اس کے باوجود محکمۂ تعلیم کی جانب سے حقیقت کے برعکس کم اسامیوں کے تقرر کی سفارش تیار کی جاتی رہی ہے، جو نہ صرف اردو امیدواروں کے حقوق پر ضرب ہے بلکہ اردو پڑھنے والے طلبہ کے تعلیمی مستقبل کو بھی متاثر کرے گی۔ رمیز صابری نے کہا کہ نئی قومی تعلیمی پالیسی (NEP-2020) مادری زبان میں تعلیم کے فروغ پر خصوصی زور دیتی ہے۔ ایسے میں اردو جیسی آئینی و سرکاری زبان کے ساتھ امتیازی رویہ اختیار کرنا نہ صرف قومی تعلیمی پالیسی بلکہ آئینِ ہند کی روح اور مساوات کے اصول کے بھی منافی ہے، جس کے تعلیمی اور سماجی اثرات مرتّب ہوں گے۔ انھوں نے امید ظاہر کی ہے کہ حکومت مثبت رویہ اختیار کرتے ہوئے تقرری کی سفارش پر نظرِ ثانی کرے گی اور اردو امیدواروں کو انصاف فراہم کرے گی۔

غالب اکیڈمی میں 'سبقِ اُردو' کے خصوصی شمارے کا اجرا

نئی دہلی (6 اگست)۔ گوپی گنج بھدوہی سے شائع ہونے والے ادبی ماہنامہ 'سبقِ اُردو' کے پروفیسر کوثر مظہری خصوصی نمبر کی رسمِ اجرا ایک باوقار ادبی تقریب میں منعقد ہوئی۔ اس رسالے کے مدیر مشہور ادیب و شاعر اور صحافی دانش الٰہ آبادی اور اس خصوصی شمارے کے مہمان مدیر ڈاکٹر خالد مبشر تھے۔ غالب اکیڈمی میں پدم شری پروفیسر اختر الواسع نے جلسے کی صدارت کرتے ہوئے کہا کہ کوثر مظہری کی ادبی خدمات کا مطالعہ اس لیے ضروری ہے کہ ان کی تخلیق و تنقید نئی نسل کے لیے ایک بیش قیمت فکری سرمایہ ہے۔ ان کی شاعری، فکشن، تنقید اور ترجمہ اپنے عہد، معاشرے اور تہذیب کو سمجھنے کا موقع فراہم کرتے ہیں۔ تقریب کو خطاب کرتے ہوئے مہمانِ خصوصی پروفیسر شہپر رسول نے کہا کہ کوثر مظہری میرے چھوٹے بھائی اور دیرینہ دوست ہیں۔ ان کے سروکار علمی و ادبی ہیں اور وہ بنیادی طور پر شاعر ہیں۔ انھیں اپنی مٹی، زبان اور تہذیب سے شدید محبت ہے۔ مہمانِ اعزازی ڈاکٹر اشفاق احمد عارفی نے کہا کہ کوثر مظہری کی شخصیت مقناطیسی ہے۔ وہ ہر قسم کی مصنوعیت اور اوڑھی ہوئی علمیت سے پاک ہیں۔ پروفیسر شہزاد انجم نے اظہارِ خیال کرتے ہوئے کہا کہ کوثر مظہری کی زندگی مختلف حادثات اور نامساعد حالات سے گزری ہے لیکن انھوں نے ان سانحات کو علمی اور ادبی سفر میں رکاوٹ نہیں بننے دیا۔ مہمان مقرر پروفیسر احمد محفوظ نے پروفیسر کوثر مظہری کی علمی و ادبی خدمات کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ ان کی تصانیف، ان کی علمی سنجیدگی اور وسیع مطالعے کی غمازی کرتی ہیں۔ پروفیسر محمد کاظم نے پروفیسر کوثر مظہری کی شخصی خصوصیات کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ کوثر مظہری جرأت و جسارت اور بے خوفی و بے باکی کا ایک روشن استعارہ ہیں۔ انھوں نے ان کے تنقیدی تیور کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ اب ہماری تنقید کوثر مظہری کی سی غیر جانب داری اور بے تعصبی سے محروم ہوچکی ہے۔ اس موقعے پر نظامت کے فرائض انجام دیتے ہوئے ڈاکٹر معین شاداب نے کوثر مظہری کی شخصیت اور فن پر مفصل روشنی ڈالی۔

'سبقِ اُردو' کے اس خصوصی شمارے کے مہمان مدیر ڈاکٹر خالد مبشر نے کہا کہ استادِ گرامی کوثر مظہری پر اس خصوصی شمارے کی ادارت سونپنے کے لیے میں رسالے کے مدیر دانش الٰہ آبادی کا تہِ دل سے ممنون ہوں۔ تقریب کا اختتام ڈاکٹر خان رضوان کے اظہارِ تشکر پر ہوا۔ اس موقعے پر سعد اللہ احسان ندوی، عبداللہ احسان اور پروفیسر محمد علیم نے مہمانان کا استقبال کیا۔ پروفیسر اختر الواسع نے صاحبِ اعزاز پروفیسر کوثر مظہری کی شال پوشی کی۔ اس جلسے میں دہلی کی کئی ادبی شخصیتوں نے شریک ہوکر پروفیسر کوثر مظہری پر شائع 'سبقِ اُردو' کے خصوصی شمارے کا خیر مقدم کیا ہے۔ (پندار۔ پٹنہ)

اردو اساتذہ کی صلاحیت سازی پر پانچ روزہ ورکشاپ اختتام پذیر

سری نگر/نئی دہلی (پریس ریلیز، 2 اگست)۔ قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، نئی دہلی اور مرکز برائے فاصلاتی و آن لائن تعلیم، کشمیر یونیورسٹی کے باہمی اشتراک سے 'اردو اساتذہ کی صلاحیت سازی: قومی تعلیمی پالیسی 2020 کی روشنی میں' کے عنوان سے منعقدہ پانچ روزہ ورکشاپ آج اختتامی اجلاس کے ساتھ اختتام پذیر ہوگیا۔

پروفیسر شریف الدین پیرزادہ، ڈین اکیڈمک افیئرز، کشمیر یونیورسٹی نے اپنے صدارتی خطاب میں کہا کہ اس نوعیت کے تربیتی ورکشاپس اساتذہ کی علمی اور پیشہ ورانہ صلاحیتوں میں اضافے کا مؤثر ذریعہ ہیں۔ انھوں نے کہا کہ پانچ روزہ ورکشاپ میں جن اہم اور عصری موضوعات پر ماہرین نے اظہارِ خیال کیا، وہ موجودہ تعلیمی منظرنامے میں غیر معمولی اہمیت کے حامل ہیں۔ انھوں نے شرکائے ورکشاپ پر زور دیا کہ وہ یہاں حاصل کیے گئے علم، تجربات اور جدید تدریسی طریقوں کو اپنی درس گاہوں میں عملی طور پر بروئے کار لائیں اور اپنے طلبہ تک منتقل کریں، کیوں کہ اسی صورت میں اس ورکشاپ کے حقیقی مقاصد حاصل ہوسکیں گے۔

پروفیسر طارق احمد چشتی، سابق ڈائرکٹر، مرکز برائے فاصلاتی و آن لائن تعلیم نے اپنے خطاب میں اساتذہ کے کردار کو نہایت اہم قرار دیتے ہوئے کہا کہ تدریسی عمل میں بچوں کی نفسیات، ذہنی استعداد اور بدلتے ہوئے سماجی تقاضوں کو ہمیشہ پیشِ نظر رکھا جانا چاہیے۔

پروفیسر الطاف انجم، ڈائرکٹر، مرکز برائے فاصلاتی و آن لائن تعلیم نے کہا کہ اس ورکشاپ کے دوران حاصل ہونے والی معلومات اور تدریسی مہارتوں کو عملی زندگی میں نافذ کرنا ہی اس کی اصل کامیابی ہے۔ انھوں نے شرکائے ورکشاپ سے اپیل کی کہ وہ قومی تعلیمی پالیسی 2020 کے نکات اور جدید تعلیمی رجحانات کو اپنے طلبہ تک ضرور پہنچائیں۔

اس موقعے پر پروفیسر صلاح الدین ٹاک، پروفیسر سجان کور بالی، پروفیسر محمد ریاض اور سیّد جاوید کرمانی نے بھی اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے اس نوعیت کی علمی و تربیتی سرگرمیوں کو وقت کی اہم ضرورت قرار دیا۔

اختتامی اجلاس کی نظامت ڈاکٹر محمد رفیع نے کی جب کہ ڈاکٹر بلال نے کلماتِ تشکر پیش کیے۔ آخر میں ورکشاپ میں شریک تمام ریسورس پرسنس، مختلف تکنیکی نشستوں کے صدور اور شرکائے ورکشاپ میں اسناد تقسیم کی گئیں۔

پانچ روزہ ورکشاپ کے دوران اٹھارہ تکنیکی سیشنز منعقد ہوئے۔ ان سیشنز میں قومی تعلیمی پالیسی 2020، اردو اساتذہ کی صلاحیت سازی، جدید تدریسی اسالیب، مصنوعی ذہانت (AI) کا تعلیمی استعمال، اردو شاعری اور نثر کی تدریس، شعر کی شرح و تعبیر، سوال سازی، بچوں کی نفسیات، درست تلفظ، املا و تحریر، اخلاقی اقدار کی تدریس، کثیر جہتی تعلیم، ایک مثالی استاد کی خصوصیات اور جدید تعلیمی ٹیکنالوجی سمیت متعدد اہم موضوعات پر تفصیلی اور عملی لیکچرز پیش کیے گئے۔

ورکشاپ میں پروفیسر شفق سوپوری، پروفیسر محمد ریاض احمد، پروفیسر الطاف انجم، ڈاکٹر عظمت اللہ خان احساس، ڈاکٹر واحد نظیر، ڈاکٹر راکیش کمار، ڈاکٹر نصرت جبیں، ڈاکٹر مشتاق حیدر، ڈاکٹر محی الدین زور کشمیری، ڈاکٹر محمد رفیع، ڈاکٹر شوکت رشید وانی، ڈاکٹر اسرار احمد خان، ڈاکٹر حبیب اللہ شاہ، محترمہ مطہرہ حنیف، ڈاکٹر روحی سلطانہ، میر ساجد رمضان اور شاکر شفیع وغیرہ نے مختلف علمی و تدریسی موضوعات پر اظہارِ خیال کیا۔

رفتید ولے نہ از دلِ ما

ساحل تماپوری

گلبرگہ۔ اوصاف مجاہد تماپوری کی اطلاع کے مطابق معروف اردو شاعر محمد منور پاشاہ ساحل تماپوری کا طویل علالت کے بعد 18 جولائی 2026 کی دس بجے شب اپنی رہائش گاہ محبوب نگر رنگ روڈ پر انتقال ہوگیا۔ وہ 63 برس کے تھے۔ ان کی نمازِ جنازہ 19 جولائی کو بعد نمازِ ظہر مسجد خدیجۃ الکبریٰ گلبرگہ میں ادا کی گئی۔ حافظ مجاہد نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔ تدفین آزاد پور قبرستان گلبرگہ میں عمل میں لائی گئی۔ نمازِ جنازہ اور تدفین میں تماپور اور گلبرگہ کے بیشتر اردو قلم کاروں نے شرکت کی۔

ساحل تماپوری 18 جولائی 1963 کو تماپور یادگیر میں عبدالظہور رسول بی جے گھرانے میں پیدا ہوئے تھے۔ ان کے برادرِ محترم جوہر تماپوری اردو زبان کے مشہور شاعر تھے، وہ ربع صدی سے زائد بہ سلسلۂ ملازمت سعودی عرب میں قیام پذیر رہے۔ ساحل تماپوری ادبی و تہذیبی سرگرمیوں میں ہمیشہ سرگرم رہے۔ ان کا شعری مجموعہ 'ساحل پر بکھرے موتی' زیرِ اشاعت ہے۔ ساحل تماپوری کے پس ماندگان میں اہلیہ یاسمین تماپوری، فرزند انجینئر ابرار اور دو بیٹیاں شامل ہیں۔

ادارہ 'ہماری زبان' مرحوم کے لیے مغفرت اور پس ماندگان کے لیے صبرِ جمیل کی دعا کرتا ہے۔ (ادارہ)

اردو ہندی ڈکشنری
انجمن ترقی اردو (ہند)
قیمت: 300 روپے

اسٹینڈرڈ انگلش اُردو ڈکشنری
مولوی عبدالحق
قیمت: 500 روپے

مسائلِ لغت وقواعد اور رشید حسن خاں کے فکری ابعاد

(بقیہ صفحہ 3 سے آگے)

خوب لکھا ہے۔ خواجہ عبدالرؤف نے اپنے 'تذکرۂ آب وبقا'، نساخؔ نے 'سخن شعرا'، محمد علی خاں رام پوری نے 'مسدس بے نظیر'، امیر مینائی نے 'انتخابِ یادگار' میں بحرؔ لکھنوی کی شاعری اور ان کے رسالے 'بحر البیان' کا ذکر کیا ہے۔ رشید حسن خاں نے آغازِ مضمون میں بحرؔ لکھنوی کے حالات اور ان کے کارناموں پر سیر حاصل گفتگو کی ہے۔ بحرؔ لکھنوی کے رسالے اور اس میں موجود قواعد ولغت کے مسائل پر اپنا مطمحِ نظر واضح کرتے ہوئے رشید صاحب رقم طراز ہیں:

> بحرؔ نے 'اُردوے لکھنؤ' کی جو تخصیص کردی ہے، اُس سے اِس رسالے کی اہمیت اور بڑھ گئی ہے۔ جو حضرات اُس عہد کی زبان، قواعدِ زبان اور مصادر کے معانی واستعمال پر کام کرنا چاہیں، اُن کے لیے اِس کا مطالعہ ازبس ناگزیر ہے۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ چھوٹے چھوٹے رسائل میں بعض ایسی معلومات محفوظ ہوتی ہیں جو اچھّی اچھّی کتابوں میں نہیں ملتیں۔ بحرؔ کا زمانہ قواعدِ زبان وقواعدِ شاعری کے بہت سے معرکۃ الآرا مباحث کا زمانہ ہے۔ دبستانِ ناسخؔ کی ساری پابندیاں اُسی عہد میں وضع کی گئیں، اور اُسی زمانے سے بہت سی لفظی بحثوں کا آغاز ہوا۔ اُس دور پر ابھی ہمارے یہاں بہت کم کام ہوا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اِس عہد کی زبان پر کام کرنے والوں کے لیے یہ رسالہ بہت مفید ثابت ہوگا اور بہت سی قابلِ توجہ باتیں اِس میں مل جائیں۔ یہی احساس اِس کو معرضِ طبع میں لانے کا محرک ہوا۔
>
> اس رسالے میں کچھ مصادر ایسے بھی ملیں گے جو اب قطعی مستعمل نہیں ہیں، نہ عام طور سے کتابوں میں ملتے ہیں یا بعض معانی ایسے ملیں گے جن سے ہم آج کل نا آشنا ہیں۔ زبان ولُغت پر کام کرنے والے اچھّی طرح جانتے ہیں کہ اگر کسی کتاب میں ایسے دو لفظ بھی مل جائیں، تو اس، کا کیا مرتبہ ہوتا ہے۔ خیال تھا کہ میں اسے باضابطہ مرتّب کروں اور مفصّل حواشی لکھوں، لیکن آج کل مختلف کاموں میں بے طرح مصروف ہوں جن کی وجہ سے فی الحال اِس ضروری کام کے لیے وقت نہیں نکال سکا۔ بعض احباب نے مشورہ دیا کہ اِس طرح معلوم نہیں یہ کب تک پڑا رہے، فی الوقت اِس کا متن چھاپ دیا جائے اور جب اِس کو کتابی صورت میں مرتّب کیا جائے اُس وقت ترتیب کی شرائط بھی پوری کردی جائیں۔ ایک قابلِ ذکر مجموعہ کیوں پردۂ خفا میں (چھپا) رہے۔ بات مناسب تھی اِس لیے متن پیش کررہا ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ زبان اور قواعدِ زبان کے طالبِ علموں کے لیے یہ بہت سے فوائدِ نافعہ کا مخزن ثابت ہوگا اور اِس عہد پر کام کرنے والوں کے لیے عصری دستاویز۔ نقل میں مروّج املا کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ مخطوطے میں پیش کیے گئے اظہار کے لیے اُس زمانے کے رواج کے مطابق وَ بالعموم لکھا ہوا ہے۔ چند ضروری مقامات کے علاوہ الفاظ کو واؤ کے بغیر ہی لکھا گیا ہے۔ یہ مخطوطہ مضبوط بادامی کاغذ پر لکھا ہوا ہے، خط روشن ہے، سرخیاں لال روشنائی سے لکھی گئی ہیں اور جس اہتمام سے اِس کی کتابت ہوئی ہے، اِس سے اندازہ ہوتا ہے کہ کسی شخصیت کے سامنے پیش کرنے کے لیے اہتمامِ خاص سے کام لیا گیا ہے۔''[۶۴]

'مشترک الفاظ' کے حوالے سے رشید حسن خاں کا ایک اہم مضمون رسالہ 'نقوش'، لاہور، بابت مئی 1965 میں شائع ہوا۔ اس مضمون میں موصوف نے دہلی اور لکھنؤ کے دبستانی اختلاف کے تحت وجود میں آئے مذکر ومونث الفاظ پر بحث کی ہے۔ اس مضمون میں (۱) آب (۲) صاد (۳) الاپ (۴) آغوش (۵) ایجاد (۶) املا پر لغات واشعار کے حوالے سے بحث کی گئی ہے۔ مذکورہ الفاظ دیکھنے میں عام اور سادہ ہیں، لیکن ان لفظوں پر جو دبستانی بحث شامل مضمون ہے وہ خاصے کی چیز ہے۔ دونوں دبستانوں میں عوام وخواص ایک ہی لفظ کو مذکر ومونث کے طور پر بولتے اور برتتے ہیں۔ مضمون کے حواشی کو پڑھ کر رشید صاحب کی محنتِ شاقہ پر رشک آتا ہے۔ انھوں نے تذکیر وتانیث کے معرضِ بحث میں کلاسکی شعرا ولغات کے دفتر وا کردیے ہیں۔ انھوں نے اس بات کی وضاحت کی کہ ایک شاعر نے غلطی سے ایک جگہ کسی لفظ کو رواجِ عام کے خلاف مذکّر یا مونّث نظم کردیا۔ اُس استعمال کو قبولِ عام حاصل نہیں ہوا، لیکن لُغت نویسوں نے اُس کو سند کے طور پر قبول کرکے اُس لفظ کو مختلف فیہ الفاظ میں شامل کردیا۔ ایسا بھی ہے کہ جن اشعار کو یا کسی ایک شعر کو کسی لفظ کی تذکیر وتانیث کے لیے بہ طورِ سند پیش کیا گیا، اُن اشعار کو یا اُس شعر کو اُصولاً بہ طورِ سند پیش ہی نہیں کیا جاسکتا تھا، محض غلط فہمی کا کرشمہ تھا، لیکن اِس سے ایک غلط اندراج کا اضافہ ہوگیا اور بعد والوں کے لیے وہ ایک اختلافی مسئلہ بن گیا۔ اس بارے میں رشید صاحب رقم طراز ہیں:

> ''اُردو میں 'مشترک الفاظ' خاصی تعداد میں ہیں۔ مشترک الفاظ سے وہ لفظ مراد ہیں، جن کی تذکیر وتانیث میں اختلاف ہے۔ یہ اختلاف کئی طرح کا ہے: کچھ لفظ دہلی، لکھنؤ کے دبستانی اختلاف کے تحت آتے ہیں کہ دہلی والے مذکّر استعمال کرتے ہیں اور لکھنؤ والے مونّث یا اِس کے برعکس۔ کچھ لفظوں کی صورت یہ ہے کہ ایک ہی دبستان کے کچھ لوگ مذکّر کہتے ہیں، کچھ لوگ مونّث۔ یہ بھی ہے کہ ایک ہی اُستاد نے ایک لفظ کو کبھی مذکّر نظم کیا، کبھی مونّث۔ ایک صورت یہ بھی ہے کہ ایک لفظ ایک زمانے میں مذکّر تھا بالاتفاق رفتہ رفتہ اُس کی تانیث کی طرف رجحان بڑھتا گیا اور اب وہ بالعموم مونّث بولا جاتا ہے، لیکن لُغات میں یا دوسری متعلّقہ کتابوں میں یہ تفصیل موجود نہیں۔
>
> ہمارے یہاں ایک بڑی کمی یہ بھی ہے کہ مختلف لُغات میں مختلف قول ملتے ہیں۔ یہ اختلافات کبھی تو اپنے مکتبۂ خیال کی طرف داری کا نتیجہ ہوتے ہیں اور کبھی عدمِ تحقیق کا۔ معائبِ شعر کے قاعدوں اور تلفّظ کے مسائل میں بھی سب سے بڑی دقّت یہی ہے کہ عموماً لُغات میں نقلِ قول پر بھروسا کیا گیا ہے۔ بہت سے الفاظ ایسے ملیں گے جن کی تذکیر وتانیث کا تعیّن شروع میں نہیں ہوسکا۔ استعمال میں دونوں طرح آتے رہے۔ کچھ دنوں کے بعد کسی نے ایک صورت کو قبول کرلیا، کسی نے دوسری صورت کو، نتیجہ یہ ہوا کہ کسی کتاب میں ایک قول کو ترجیح دی گئی، کسی میں دوسرے قول کو جگہ دی گئی۔''[۶۵]

رشید حسن خاں کا ایک اہم مضمون 'املا کا اختلاف اور لغت' رسالہ 'اُردو نامہ'، ترقی اُردو بورڈ، کراچی شمارہ 29، اکتوبر 1967 میں شائع ہوا۔ دراصل یہ مضمون ترقی اُردو بورڈ، کراچی کے لغت میں شامل کچھ لفظوں کے استعمال اور ان کے تعین کے بارے میں تھا۔ اس مضمون کے بارے میں رشید صاحب نے مشفق خواجہ کو بھی خط لکھا تھا۔ اس مضمون میں موصوف نے مرتبینِ مخطوطات کے ذریعے قدیم مخطوطات کے املا میں تبدیلی کرنے کے عمل پر سخت تنقید کی۔ انھوں نے کربل کتھا میں موجود الفاظ کے املا یعنی کتاب خانی (کتاب خوانی)، ثابت (سات)، خانہ دان (خاندان)، مشیں (مسیں)، ڈھارث (ڈھارس)، سکھینہ (سکینہ)، اثی (اسی)، توباہ (توبہ) پیٹ تا (پیٹتا)، ہیہات (ہے یہ ہات)، خواوند (خاوند)، استطلا حات (اصطلاحات) کی مثال پیش کی اور بتایا کہ اگر ان الفاظ میں تبدیلی کی جائے گی تو مخطوطے کے املا میں نمایاں فرق آجائے گا۔ رشید صاحب کے مطابق اُردو میں صحت املا پر بہت کم گفتگو کی گئی ہے اور یکسانی املا کی ضرورت پر غور ہی نہیں کیا گیا۔ بہت سے لفظ ایسے ہیں کہ ان میں املا کا اختلاف محض شخصی پسند وناپسند یا لاعلمی کا نتیجہ ہے۔ خوش نویسی کے اساتذہ اور ان کے تلامذہ کی دنیا ہی الگ تھی۔ ان کے یہاں بنیادی حیثیت اصولِ خوش نویسی کی تھی۔ انھوں نے رسالہ 'اُردو نامہ' کے شمارہ 27 کے حصۂ لُغت میں درج لفظ 'اچنبھا' کے بارے میں لکھا کہ اس کی ایک صورت 'اچھنبا' بھی درج ہے اور اسے 'اچنبھا' بتایا گیا ہے۔ اس کی ایک مثال میر امن کی کتاب 'گنجِ خوبی' سے دی گئی ہے۔ اسی طرح انھوں نے میر سوز کے دیوان میں شامل لفظ 'اچھمبا' کے بارے میں بتایا کہ ان کے کسی دیوان میں 'اچھمبا'، کسی میں 'اچھنبھا' اور کسی میں 'اچمبھا' لکھا ہوا ہے۔ اس صورت میں یہ طے کرنا مشکل ہے کہ میر سوز نے کس لفظ کو اپنے دیوان کے لیے منتخب کیا تھا۔ ان کی نظر میں لفظوں کے الگ الگ املا کی صورت کے لیے خوش نویس ذمے دار ہیں۔ وہ اپنی کتابت کو خوب صورت بنانے کے لیے لفظوں کے جوڑ، دائروں کی کشش اور ان کی نوک پلک پر نظر رکھتے تھے۔ یعنی خوش نمائی کو برقرار رکھنا اصل مدعا تھا۔ انھوں نے اس بات کو واضح کیا کہ مصنف اور کاتب کا دو مخالف علاقوں سے تعلق رکھنا بھی لفظوں کے املا میں تبدیلی لاسکتا ہے۔ اس ضمن میں وہ لغت نویسوں سے بھی نالاں ہیں کہ انھوں نے الفاظ کے املا کے سلسلے میں ہماری یعنی قارئین کی کوئی مدد نہیں کی۔ انھوں نے مزید لکھا کہ قدیم وجدید الفاظ کے املا کے تعین میں کچھ واضح اصولوں کو پیشِ نظر رکھا جانا چاہیے۔ اس بارے میں رشید صاحب نے اپنے موقف کا اظہار کرتے ہوئے لکھا:

> ''جن لُغت ناموں میں لفظوں کے عہد تغیرات معنی واملا کی نشان دہی کی جائے اور اس کے لیے مصنف یا تصنیف کا زمانہ بھی لکھا جائے (جیسا کہ ترقی اُردو بورڈ کے اس لُغت نامے میں ہے) ان میں اس احتیاط کو ملحوظ رکھنا ہے، بے حد اہمیت رکھتا ہے۔ کسی لفظ کے املا کا انتساب، کسی مصنف سے کردیا جائے اس صورت میں کہ اس مصنف کی خطی تحریر ہمارے سامنے نہ ہو بلکہ کسی کاتب کی تحریر ہو اور ہم منسوب کردیں اس تغیر کو مصنف سے اور اس مثال کے ساتھ اس تصنیف کا سنہ لکھ دیں، یہ سرتاسر غلط فہمی اور غلط آفرینی ہوگی۔ ایسے موقعوں پر سنہ کی نشان دہی کے ساتھ یہ صراحت ضروری ہے کہ یہ تحریر فلاں عہد کے مخطوطے کی ہے، اگر سنہ کتابت معلوم ہو۔ سنہ کتابت معلوم نہ ہونے کی صورت میں، صرف اس مخطوطے کا حوالہ دیا جائے، زمانے کا تعین نہ کیا جائے، جب تک کسی مخطوطے میں وہی املا نہ ملے اور اس مخطوطے کا زمانہ، کتابت معلوم نہ ہو اس وقت تک یہ اختلاف، قطعی تعین زمانہ سے محروم رہے گا، قیاسی تعیین البتہ کی جاسکتی ہے۔
>
> اس سلسلے میں اس سے بھی اہم پہلو یہ ہے کہ اگر کوئی لفظ کسی ایک مخطوطے میں خاص طرح لکھا ہوا ملتا ہے، اس صورت میں یہ بھی ضروری ہوگا کہ اس کے کاتب کا تعین وتشخص کرلیا جائے۔ اگر وہ غلط نویس ہے یا اس مخطوطے کی کتابت

میں اس نے دوسرے مقامات پر کم سوادی کا مظاہرہ کیا ہے تو اس صورت میں اس اختلاف کو کسی دوسری مثال کے بغیر قبول نہیں کیا جا سکتا اور لُغت میں اس اختلاف املا کو درج نہیں کیا جا سکتا۔"[۶۶]

حواشی:

۶۰ سہ ماہی اُردو ادب، انجمن ترقی اُردو (ہند) علی گڑھ، جلد 6، نمبر 4، مارچ 1958، ص 42۔

۶۱ سہ ماہی اُردو ادب، انجمن ترقی اُردو (ہند) علی گڑھ، شمارہ نمبر 1، 1961، ص 93-92۔

۶۲ مشاہیرِ ادب کے خطوط رشید حسن خاں کے نام، مرتّبہ راقم الحروف، انجمن ترقی اُردو (ہند) نئی دہلی، 2024، ص 97۔

۶۳ دہلی یونی ورسٹی کے صدر شعبۂ اُردو کے حکم کے مطابق رام پور رضا لائبریری میں رشید حسن خاں نے کئی ماہ کام کیا۔ اس بات کی تصدیق پروفیسر گوپی چند نارنگ کے نام لکھے خطوط سے ہوتی ہے جو انھوں نے رام پور رضا لائبریری میں بیٹھ کر لکھے تھے۔ مکمل تفصیل راقم الحروف کی مرتبہ کتاب 'مشاہیرِ ادب کے خطوط رشید حسن خاں کے نام'، ناشر انجمن ترقی اُردو (ہند) نئی دہلی اشاعت 2024، ص 523 تا 538 پر دیکھ سکتے ہیں۔ اس موقعے پر دو خط ملاحظہ کیجیے جس میں رام پور رضا لائبریری میں دیوانِ سوز کے نسخے کی حصول یابی کا خصوصی ذکر موجود ہے:

(1)

State Library, Qila Rampur

5 ستمبر 1962

برادر مکرم! سلام شوق

میں 3 کو بعد دوپہر یہاں پہنچ گیا۔ یہاں دیوان میر سوز کا نہایت عمدہ نسخہ موجود ہے۔ کاتب بھی معقول معلوم ہوتا ہے۔ خاص بات یہ ہے کہ اس میں کلام، نسخۂ علی گڑھ سے کہیں زیادہ ہے۔ اس سے اندازہ کیجیے کہ نسخۂ علی گڑھ میں حمد کی صرف ایک غزل ہے اور اس میں تین غزلیں ہیں۔ میں نے اصول یہ پیش نظر رکھا ہے کہ متن بہر صورت صحیح ہو۔ اس کے لیے یہ فرض کر لیا ہے کہ نسخۂ رام پور اصل ہے۔ اسی اصول کی بنا پر، متن کو نسخۂ رام پور کے مطابق صحیح کر رہا ہوں۔ بعض مقامات ایسے ہیں جہاں نسخۂ علی گڑھ کا متن صحیح معلوم ہوتا ہے۔ ایسے مقامات پر نسخۂ علی گڑھ کا متن اختیار کیا ہوا ہے اور نسخۂ رام پور کے متن کو حاشیے میں بہ طور اختلاف نسخہ درج کیا ہے۔ زائد اشعار کو اسی غزل کے حاشیے پر لکھ لیا ہے اور زائد غزل کو نمبر شمار ڈال کر علاحدہ کاغذ پر درج کر رہا ہوں، مگر اس طریق کار میں کچھ ترمیم کی ضرورت ہو تو لکھیے، بہر صورت آپ کی مہر تصدیق یا مزید رائے کا منتظر ہوں۔ ظہیر صاحب کو بھی میں نے یہی لکھا ہے۔

برادر! بے حد نامعقول شہر ہے۔ قلعہ وسیع، خوب صورت، شہر تنگ بدصورت۔ بھلا وہ کوئی شہر ہے جہاں نہ کوئی قاعدے کی چائے کی دکان ہو، نہ صاف ستھری کھانے کی کوئی جگہ ہو۔ ایسی گندی دکانیں کہ جامع مسجد کے علاقے کی دکانیں بھی شرما جائیں گی۔ اور ایسا برا کھانا کہ خدا کے بجائے صرف شیطان یاد آئے۔ لاحول ولا قوۃ۔ وہ تو یہ کہیے کہ چائے کا مکمل سامان، مع اسٹوو، ساتھ لے کر آیا تھا، ورنہ آدمی کے بجائے بنگالی بن کر لوٹتا۔

کاشف الحقائق کی جلد دوم، اکبر علی خاں کے حوالے اسی دن کر دی۔ بے چارے ہمہ وقت مدد کرنے کے لیے آمادہ رہتے ہیں۔ ہاں صاحب! آپ کا پتا مجھے معلوم نہیں تھا، اس لیے یہ خط ظہیر صاحب کے لفاف میں ملفوف ہے۔ براہ کرم اپنا پتا تحریر کیجیے کہ باقاعدہ خط لکھوں کیوں کہ مہمان طفیلی نبود اہل قلم را۔

آپ کے مفصل خط کا منتظر ہوں۔ بھابھی صاحبہ کو سلام اور اس شریر بچے کو پیار۔

مخلص رشید حسن

(2)

Raza Library, Rampur

15 اکتوبر 1962

مکرمی نارنگ صاحب! سلام و نیاز

آج ہی گرامی نامہ موصول ہوا۔ حضرت آپ میرے مکرم ہیں۔ میں نے جو کچھ لکھا تھا محض بر بنائے شگفتگی خاطر لکھا تھا۔ خدا نخواستہ مقصود و حقیقی وہ نہیں تھا۔ پھر بھی معذرت قبول کیجیے۔

ردیف ی کی غزلیات کے 23 صفحے ارسال ہیں۔ حوالۂ زیدی صاحب کر دیجیے۔ میں چاہتا ہوں کہ ان کا ہاتھ نہ رکنے پائے۔ آپ نے یہ نہیں لکھا کہ میرے بھیجے ہوئے اوراق میں، طریق کار آپ کو پسند آیا یا نہیں۔ میں آپ کی رائے کا منتظر تھا اور ہوں۔

یہ پڑھ کر سخت تشویش ہوئی کہ مزاج ناساز ہے۔ خدا کرے اب آپ مکمل صحت یاب ہو چکے ہوں۔ بے حد مسرت ہوئی کہ حضرت خورشید الاسلام کے فرمودات سے آپ بھی لطف اندوز ہوئے اور میرے ریمارک سے بھی۔ آج کل ان کی ایک شاگردہ اور آپ کی بھی اسما سعیدی صاحبہ یہاں آئی ہوئی ہیں۔ میں نے ایک دن ان کے سامنے ان کے استاد کی خاصی مدح و ثنا کی تھی۔ سنا ہے وہ بھی اب محققین میں شامل ہو رہے ہیں، جو کچھ خدا دکھائے سو ناچار دیکھنا۔ واقعی اب ادب کے برے دن آ گئے ہیں۔ پچھلے ہفتے میں نے یہاں ایک انجمن میں تقریر کرتے ہوئے اس بات کو کہہ دیا تھا، تو لوگوں نے نگاہ تعجب سے دیکھا تھا۔ جواب کا منتظر ہوں۔ نیاز مند

رشید حسن

۶۴ سہ ماہی اُردو ادب، شمارہ 1، انجمن ترقی اُردو (ہند) علی گڑھ، 1963، ص 65۔

۶۵ رسالہ نقوش، لاہور، مئی 1965، ص 100۔

۶۶ رسالہ اُردو نامہ، ترقی اُردو بورڈ، کراچی، شمارہ 29، اکتوبر 1967، ص 76۔

(باقی آئندہ)

اردو گھر میں راہی معصوم رضا صدی تقریبات کا شاندار آغاز

(بقیہ صفحہ 8 سے آگے)

پروفیسر ہریش ترویدی نے انجمن کی اس اہم تقریب میں اپنی شرکت پر خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ 'آدھا گاؤں' نے راہی کی شہرت کو جو عروج بخشا وہ تو اہم ہے ہی، لیکن 'مہابھارت' کے ڈائیلاگ اور اسکرپٹ کی بدولت ان کی آواز بھی بلاتفریق ہندستان کے ہر گھر میں پہنچی، یہ بڑی بات ہے۔ انھوں نے مزید کہا کہ ماضی میں راہی کے مسودات کی ناگری میں اشاعت کے وقت جو تبدیلیاں کی گئیں اُن کی اصلاح کر کے راہی کی اصل زبان کو واپس لانے کی سخت ضرورت ہے۔ انھوں نے یہ بھی کہا کہ اس ناول کے ہندی اڈیشن کی کم سے کم دس لاکھ کاپیوں کا فروخت ہونا ایک غیر معمولی بات ہے، اور یہ افتخار ہندی تو کیا کسی بھی ہندستانی زبان کے کسی بھی تخلیق کار کا مقدر نہیں بن سکا۔

پروفیسر ہریش ترویدی نے کہا کہ سب جانتے ہیں کہ 'آدھا گاؤں' اردو رسمِ خط میں لکھا گیا تھا۔ جب کہ ہندی میں شائع ہوا اور اس ناول کی دس لاکھ سے زائد کاپیاں فروخت ہو چکی ہیں، جو ایک غیر معمولی بات ہے۔ انھوں نے کہا کہ اب یہ دیکھنا دل چسپ ہوگا کہ ماضی میں جہاں جہاں متن میں تبدیلیاں کی گئیں، اُن کی اصلاح کے بعد سامنے آنے والا نیا اڈیشن کتنا مستند ہوتا ہے اور قارئین اسے کس طرح قبول کرتے ہیں۔

پروفیسر وبھوتی نارائن رائے نے انجمن کی اس نمایاں کارکردگی کے لیے جنرل سکریٹری ڈاکٹر اطہر فاروقی کی ستائش کی۔ انھوں نے اس بات کا انکشاف کیا کہ 'آدھا گاؤں' جو ہندی میں چھپا ہے اس کا پروف راہی صاحب خود دیکھتے تھے۔

پروفیسر عاصم صدیقی نے راہی معصوم رضا کی علمی و ادبی خدمات کے حوالے سے انجمن کی اس علمی بازیافت کی ستائش کی جو اس نے راہی صدی تقریبات کے موقع پر پیش کی ہیں۔ انھوں نے نہایت مسرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ آج اردو دنیا یہ جان کر یقیناً حیران ہو رہی ہے کہ راہی نے ہمیشہ اپنی تخلیقات کے اظہار کے لیے اردو رسمِ خط کا ہی استعمال کیا اور وہ آخرِ دم تک اردو تہذیب کے فروغ کے لیے عملاً سرگرم رہے۔ وہ روحانی اور تہذیبی طور پر صرف بھوجپوری اور اردو و فارسی کی ہندستانی روایت میں سانس لیتے تھے۔ انھوں نے یہ بھی کہا کہ راہی معصوم رضا کو صرف ایک ادیب کے طور پر نہیں بلکہ برِّصغیر کی گنگا جمنی تہذیب کے نمائندہ قلم کار کے طور پر دیکھنے کی بھی ضرورت ہے۔ عاصم صاحب نے کہا کہ علی گڑھ راہی کے لیے ایک ذہنی رویہ تھا مادی حقیقت دور دور تک نہیں اور صابر ظفر کے اس بے پناہ عمدہ شعر کی وساطت سے عاصم صاحب نے وہ بات کہہ دی جو ہزاروں صفحات میں بھی نہیں کہی جا سکتی تھی:

نقشِ پا کچھ رفتگاں کے خاک پر محفوظ ہیں
یہ نشانی دیکھ سکتے ہیں اٹھا سکتے نہیں

پروفیسر محمد سجاد نے اس رویے پر اظہارِ افسوس کیا جو علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی میں اور اس سے بھی زیادہ اردو میں راہی معصوم رضا کے ساتھ روا رکھا گیا۔ انھوں نے ایسی بہت سی تحریروں کی نشان دہی بھی کی جن کی اشاعت اردو میں اب بھی ممکن نہیں ہے۔ انھوں نے یہ بھی کہا کہ علی گڑھ میں سیاست کا رنگ اور اردو صحافت کا رویہ اب بھی تقریباً وہی ہے جو ساٹھ برس پہلے تھا۔

مہمانِ معظم اور راہی معصوم رضا کے بھتیجے جناب مجاز مونس کی شرکت نے اس اجلاس کی رونق میں اضافہ کیا۔ وہ خاص طور پر اس تقریب میں شرکت کے لیے بوسٹن (امریکہ) سے تشریف لائے تھے۔ انھوں نے اس موقعے پر کہا کہ میرے چچا راہی معصوم رضا کی ادبی زندگی بے حد متنوع اور ہمہ گیر تھی۔ وہ سب کے بارے میں سوچتے تھے اور سب کے بارے میں لکھتے تھے۔ انھوں نے شاعری، ناول نگاری، افسانہ نویسی، فلمی مکالمے، ٹیلی ویژن اسکرپٹ اور صحافت سمیت مختلف علمی میدانوں میں نمایاں خدمات انجام دیں اور ہمیشہ سربلند رہے۔ ان کی تحریریں ہندستان کی سماجی، سیاسی اور تہذیبی تاریخ کا ایک ایسا آئینہ ہیں جن میں ہم ماضی کی تصویروں کا مشاہدہ کر سکتے ہیں۔

تقریب کے آغاز میں ڈاکٹر صدف فاطمہ نے راہی معصوم رضا صدی تقریبات کے تعلق سے گفتگو کی۔ انھوں نے کہا کہ راہی معصوم رضا صدی تقریبات کے انعقاد کے لیے ایک سال سے زائد عرصے سے تیاری کی جا رہی تھی جس میں انجمن ترقی اردو (ہند) کے جنرل سکریٹری ڈاکٹر اطہر فاروقی کا اہم کردار رہا ہے۔ انھوں نے کہا کہ انجمن کی کوشش ہے کہ راہی کے شہرۂ آفاق ناول 'آدھا گاؤں' کو اردو تدوین کے اصولوں کے مطابق شائع کیا جائے تاکہ اصل متن قارئین تک پہنچ سکے۔ انھوں نے کہا کہ راہی معصوم رضا خالص اردو کے ادیب تھے اور ہندی میں ان کی جو تحریریں شائع ہوئیں، وہ اردو دنیا کی تحریروں کو ایک مخصوص نظریے کے تحت تبدیل کرنے کی ایک کوشش کے سوا کچھ بھی نہیں، صدف فاطمہ نے یہ بھی بتایا کہ جلد ہی اردو رسمِ خط میں 'آدھا گاؤں' اور اس کے بعد سہ ماہی 'اردو ادب' کا راہی معصوم رضا نمبر کی اشاعت یہ ثابت کر دے گی کہ راہی اردو کے ایسے ادیب تھے جس کو وہ خود 'بھوجپوری اردو' کہتے تھے۔ ناظمِ جلسہ مالک اشتر نے درمیانِ اجلاس راہی معصوم رضا کی زندگی کے مختلف گوشوں پر روشنی ڈالی اور آخر میں حاضرین کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اجلاس کے اختتام کا اعلان کیا۔ ●●

اردو گھر میں راہی معصوم رضا صدی تقریبات کا شاندار آغاز

اردو اور ہندی اگر ایک دوسرے سے استفادہ کریں تو ان کے ادبی سرمایے کا ثروت مند ہونا ناگزیر ہے: صدیق الرحمٰن قدوائی

نئی دہلی۔ اُردو کے صاحبِ اسلوب شاعر، معروف ناول نگار اور فلمی مکالمہ نگار راہی معصوم رضا کی صدی تقریبات کا آغاز یکم اگست 2026 کو انجمن ترقی اردو (ہند)، اردو گھر کے سیّدنا سیف الدین اوڈیٹوریم میں ایک منفرد انداز میں ہوا۔ افتتاحی تقریب میں مشہورِ زمانہ ٹیلی ویژن سیریل 'مہابھارت' کے ساڑھے تین منٹ کے ایک یادگار منظر کی پروجیکٹر کے ذریعے نمائش کی گئی۔ یہ وہی تاریخی سیریل ہے جس کی اسکرپٹ راہی معصوم رضا نے اردو رسمِ خط میں تحریر کی تھی۔ تقریب کی صدارت انجمن ترقی اردو (ہند) کے صدر پروفیسر صدیق الرحمٰن قدوائی نے کی۔ اس موقعے پر انجمن ترقی اردو (ہند) کے لائف ٹرسٹی اور سابق مرکزی وزیرِ خارجہ جناب سلمان خورشید، پروفیسر ہریش ترویدی، وبھوتی نارائن رائے، ڈاکٹر مجاز مونس سمیت کثیر تعداد میں اہلِ علم وادب موجود تھے۔ نظامت کے فرائض مالک اشتر نے انجام دیے۔

انجمن کے صدر اور راہی کے ہم سبق پروفیسر صدیق الرحمٰن قدوائی صاحب نے اس تاریخی موقعے پر اپنے خطاب میں کہا کہ ہندستانی زبانیں خصوصاً اردو اور ہندی اگر ایک دوسرے سے استفادہ کریں تو ان کے ادبی سرمایے کا ثروت مند ہونا ناگزیر ہے۔ انھوں نے زور دے کر کہا کہ اس باب میں ہندی والوں کو اپنے ذہنوں کو کھولنے کی ضرورت آج پہلے سے کہیں زیادہ ہے۔ قدوائی صاحب نے راہی کے ساتھ اپنی بہت سی یادوں کا ذکر بھی کیا، اور ان کے خاندان سے ان قدیم تعلقات کا بھی جو علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی میں زمانۂ طالبِ علمی سے بھی پہلے سے دونوں خاندانوں کے درمیان تھے۔ انھوں نے یہ بھی کہا کہ مولس رضا



اسٹیج کا ایک منظر

صاحب (سابق وائس چانسلر دہلی یونی ورسٹی) کے ہندستان کو خیر باد کہنے تک اس خانوادے کے اراکین کے ساتھ قدوائی خاندان کی ملاقاتوں کا سلسلہ قائم رہا۔

راہی کے بھوجپوری میں لکھے ناولوں کو — صرف اس لیے کہ وہ ناگری میں شائع ہوئے ہیں — ہندی ناول کہا جاتا ہے، مگر دل چسپ بات یہ ہے کہ راہی کی کھڑی بولی اردو کی شاعری کی طرف ہندی والے آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے۔ راہی نے بھوجپوری کے مقابلے کھڑی بولی کے لیے نہایت سخت الفاظ اپنے ناول 'آدھا گاؤں' ہی میں استعمال کیے ہیں۔

اپنے خصوصی خطاب میں معروف سماجی کارکن سبھاشنی علی نے راہی معصوم رضا کی علمی، ادبی اور تہذیبی خدمات کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی۔ سبھاشنی علی صاحبہ نے راہی کے قلمی مسودات کا آرکائیوز قائم کرنے پر انجمن کو خصوصی مبارک باد دی۔ انھوں نے کہا کہ راہی کی تخلیقات کو صرف تین چیزوں سے سمجھا جاسکتا ہے: زبان، بھاشا اور بولی کی لسانی سماجیات جن کی تخصیص راہی کے یہاں ختم ہوجاتی ہے اور یہ تینوں ایک دوسرے کو ثروت مند کرتی ہیں۔ ایسا شاید ہی دنیا کا کوئی مصنف اس مہارت کے ساتھ کر پایا ہو جس طرح راہی نے کیا۔ 'مہابھارت' کو یاد کرتے ہوئے سبھاشنی علی صاحبہ نے کہا کہ سیریل مہابھارت کے آغاز میں 'میں سمے ہوں' کے فلسفے کو راہی صاحب نے اپنے دیگر کئی ناولوں میں بھی استعمال کیا ہے۔ 'یہ سمے بول رہا ہے'، 'یہ کہانی سمے سنا رہا ہے' وغیرہ جیسی مثالیں انھوں نے راہی کی دیگر تحریروں سے دیں۔

معروف ملّی وقومی رہنما جناب سلمان خورشید نے انجمن کی اس اہم تقریب پر بے انتہا مسرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ انجمن اردو زبان وادب کے ہر زاویے کو ماضی کے تناظر اور مستقبل کی روشنی میں دیکھنے کی کوشش کررہی ہے۔ انھوں نے اپنے خطاب میں کہا کہ راہی معصوم رضا کی صدی تقریبات کا مقصد صرف ایک عظیم ادیب کو یاد کرنا نہیں بلکہ اپنی مشترکہ تہذیبی وراثت سے دوبارہ رشتہ قائم کرنا بھی ہے۔ انھوں نے یہ بھی کہا کہ ہمیں اس بات کا احساس ہے کہ ہم نے اپنی تہذیب کے ساتھ انصاف نہیں کیا، بلکہ راہی معصوم رضا کے ساتھ بھی وہ انصاف نہیں ہوسکا جس کے وہ مستحق تھے۔ انھوں نے کہا کہ راہی معصوم رضا کی تحریروں کی اشاعت کا کام بہت پہلے ہوجانا چاہیے تھا، لیکن اب اس سمت میں پیش رفت کی جارہی ہے۔ یہ ایک خوش آئند بات ہے۔

اردو اور ہندی کے تعلق سے اظہارِ خیال کرتے ہوئے سلمان خورشید نے کہا کہ اردو اور ہندی دو بہنیں ہیں، ایک چہرے کی دو خوب صورت آنکھیں ہیں۔ ہم یہ بات سمجھاتے رہے، لیکن افسوس کہ یہ پیغام لوگوں کے دلوں تک پوری طرح نہیں پہنچ سکا۔ موجودہ سماجی حالات کا حوالہ دیتے ہوئے انھوں نے کہا کہ جب ہم کسی کو دشمن تصور کرکے اس کے ساتھ بدسلوکی کرتے ہیں تو دراصل اپنی ہی تہذیبی اقدار کو نقصان پہنچاتے ہیں۔

اس موقعے پر معروف ناقد و دانش ور پروفیسر شافع قدوائی نے اپنے خطاب میں راہی کی علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی سے دیرینہ محبت اور ان کی علمی وادبی خدمات کا بہ طورِ خاص تذکرہ کرتے ہوئے کہا کہ راہی آخر عمر تک کسی نہ کسی طور علی گڑھ کا ذکر ضرور کرتے تھے اور انھوں نے حقیقتاً علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی کے اپنی مادرِ علمی کے تصور کو زندہ رکھا۔ راہی کی فکری اور ادبی تشکیل میں علی گڑھ کی علمی وتہذیبی فضا کا اہم کردار ہے۔ انھوں نے یگانہ پر لکھا۔ طویل نظم '1857' لکھی۔ طلسمِ ہوش ربا بھی ان کا ایک نہایت اہم علمی کارنامہ ہے۔ انھوں نے ایک ناول 'اوس کی بوند' کی زبان اور راہی کی تخلیقات میں رسمِ خط کے مسئلے پر بھی روشنی ڈالی۔ ان کا اشارہ اس طرف تھا کہ بولنے اور لکھنے کی زبان ہر چند کہ الگ الگ ہوتی ہے اور مادری زبان بچے کی عمر بڑھنے کے ساتھ اس کے لیے اپنی شکلیں تبدیل کرتی رہتی ہے مگر راہی نے کمالِ ہنرمندی سے مادری زبانوں کے ان تمام رنگوں کو ایک نئی زبان میں مدغم کردیا ہے اور اس کو ضبطِ تحریر میں لانے کے لیے انھوں نے بھوجپوری تہذیب اور اردو رسمِ خط کا انتخاب کیا۔

...(بقیہ صفحہ 7 پر)

مدیر : **اطہر فاروقی**
Editor : Ather Farouqui
شریک مدیر: محمد عارف خاں
Joint Editor : Mohd. Arif Khan
معاون مدیران: منور حسن کمال، سالم فاروق ندوی
Assisistant Editors :
Munawwar Hasan Kamal, Salim Farooq Nadwi
پرنٹر پبلشر : عبدالباری
Printer Publisher : Abdul Bari
مطبوعہ : جاوید پریس، 2096، رودگراں، لال کنواں، دہلی-۶
مالک : انجمن ترقی اردو (ہند)
اردو گھر، 212، راؤز ایونیو، نئی دہلی-110002
Proprietor:
Anjuman Taraqqi Urdu (Hind)
Urdu Ghar, 212-Rouse Avenue,
New Delhi-110002
قیمت : فی شمارہ: پانچ روپے، سالانہ: 200 روپے
بیرونی ممالک: آٹھ امریکن ڈالر
Subscription: (Per Issue): Rs. 5/-, Annual: 200/-
(Foreign Countries: US $ 8)
E-mail: hamarizaban.weekly@gmail.com
http://www.atuh.org,
Phones: 0091-11-23237722

ادارے کا مضمون نگاروں کی آرا سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے (ادارہ)

Printed and Published by ***Abdul Bari*** on behalf of Anjuman Taraqqi Urdu (Hind), Urdu Ghar, 212, Rouse Avenue, New Delhi-110002
and Printed at Javed Press, 2096, Rodgran, Lal Kuan, Delhi-110006, Editor: ***Dr Ather Farouqui***